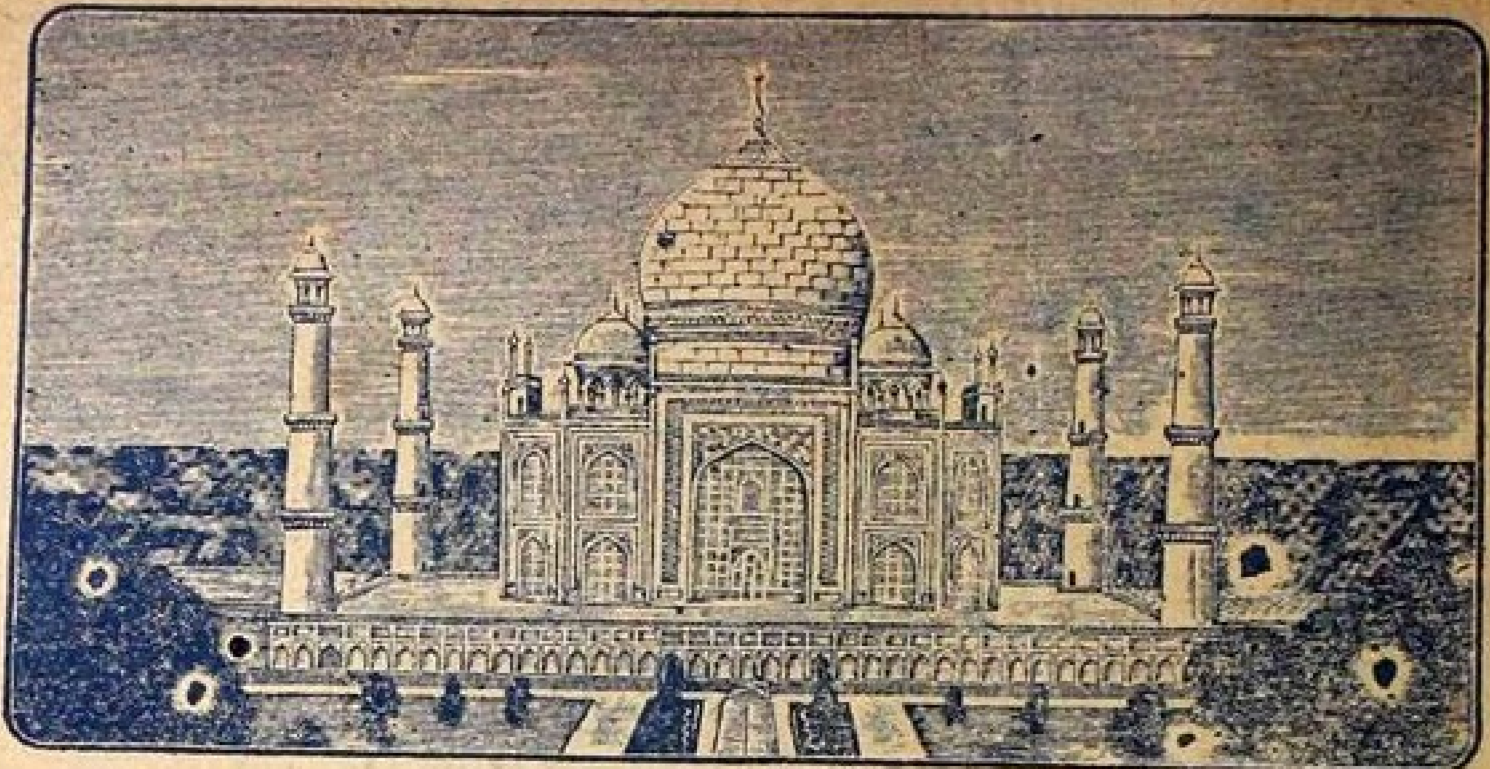

نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

تصانیف
مولانا نیاز فتحپوری

شہاب کی سرگزشت
اُردو میں یہ پہلا افسانہ ہی جو تحلیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہی یہ فسانہ ایک سال تک نگار میں شائع ہوتا رہا ہی، اور اب ملک کے اصرار پر کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔
قیمت عمر

صحابیات
یعنی عہد سعادت کی ۵۸ خواتین کے حالات نہایت مستند روایات کی بنا پر مع ایک فاضلانہ مقدمہ کے جسمیں مسئلہ نسائیات پر نہایت اچھوتے انداز سے بحث کی گئی ہی
قیمت ہر

تصویر زیب النسا بیگم
یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبائش کا حسین موضوع، آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے، جسکو حکومت نے نہایت گراں قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیدیا ہے۔ یہ تصویر ہم نے اب ٹائمس آف انڈیا پریس بمبئی میں طبع کرائی ہے، اور حسن طباعت کے لحاظ سے پہلی چھپی ہوئی تصاویر سے بدرجہا بہتر ہے، چونکہ اسکی مانگ زیادہ ہے اسلیئے جلد طلب کیجیئے۔ قیمت علاوہ محصول ۸ر

گہوارہ تمدن
اُردو میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جسمیں تاریخ، مذہبی روایات اور دیگر ذرائع سے ثابت کیا گیا ہی کہ تہذیب و شائستگی کی ترقی کسقدر عورت کی ممنون ہے اور مدنیت اسکی کتنی گرانبار ہے۔
عا ر

نگارستان
حضرت نیاز کے تمام اُن بہترین ادبی مضامین کا مجموعہ، جو اس سے قبل مختلف رسائل میں شائع ہوکر شہرت دوام حاصل کرچکے ہیں اگر انشار عالیہ اور ادب لطیف کا صحیح لطف اٹھانا ہو تو اسے ملاحظہ کیجیئے
عا ر

منیجر نگار بھوپال

رجسٹرڈ نمبر ان ۲۸۸

جلد - ۸ - شمار - ۵

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

فہرست مضامین ماہ نومبر ۱۹۲۵ء

ملاحظات	۲
ہندوستانی صنعت کی بربادی - احمد حسین قدوائی	۹
حضرت جمال الدین گجراتی رح ناظر دہلوی	۱۶
میری تخلیق - سید سرور عالم مارہروی	۲۹
سالگرہ کا ہدیہ - ن - ر -	۳۵
ایک پیر فانی کی کہانی (نظم) حضرت شاد عظیم آبادی	۴۳
قطعہ - ذبیح وارثی	۴۵
ہماری سوانح عمری سید وصی احمد بلگرامی فانی	۴۶
لنکا کا موتی .... م - ن	۵۳
زہرہ کا ایک پجاری "وشنی"	۵۷
دل (نظم) امین حزیں	۶۸
استفسارات :-	۶۹
ہم اسد اللہم و ہم اسد الہیم - فرقہ اسماعیلیہ	
ابن رشد و شیخ الرئیس -	
شمرو بیگم اور ابو الفضل کی قبر	
عرفی اور شاہزادہ سلیم	
منظومات :-	۸۳
عیش رفتہ کی یاد - آزاد انصاری	
کلام اکبر حیدری (انتخاب)	
غزلیات :- آزاد انصاری، جلیل قدوائی، بیدل، دلی کاکوی، حاذق علیگ	۸۷
اقتباسات و معلومات	۸۹-۹۶

(غلام محی الدین کاتب اٹاوی)

قیمت سالانہ پانچ روپیہ قیمت ششماہی تین روپیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد (۸)	ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۵ء	شمار (۵)

ملاحظات

جسوقت آل پارٹیز کانفرنس کو امرتسر میں دعوت دی گئی تھی تو اُسکے بلند بانگ اعلانات سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید اب سیاسیات ہند کے مطلع سے کوئی نیا آفتاب طلوع کریگا، اور موجودہ ظلمتوں کو دور کرکے کسی جدید طلعت ربانی کا جلوہ پیش کیا جائیگا لیکن اب بھی جبکہ کانفرنس کے اختتام کو مہینوں گزر چکے ہیں، فضا کی حالت وہی ہے، اور "بہت کچھ کہہ کر نہ کرنے" کا داغ کانفرنس کی پیشانی پر بدستور قائم۔

اس کانفرنس میں جو تجاویز بھی پیش کی گئی ہوں ہمیں اُن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نوع کی "شیشہ بازیاں" اب سے قبل بارہا دیکھی جا چکی ہیں، اور عمل نے کبھی قول کا ساتھ نہیں دیا، لیکن بعض اوقات ایسے جلسے اپنی معاملی زندگی کے لحاظ سے بھی مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں اور غالباً امرتسر کا جلسہ انھیں میں سے ایک تھا۔

اس کانفرنس نے اپنی مرکزی تنظیم کے مقاصد میں ایک مقصد تبلیغ بھی قرار دیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہمارے نزدیک سب سے زیادہ "غیر مصلحت اندیشانہ" کہی جا سکتی ہے، نفس تبلیغ کا جہاں تک تعلق ہے وہ ہر مسلمان کا فرض ہے، لیکن چونکہ بحالات موجودہ اسکو شدھی کے جواب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسلئے قطعاً قابل احتراز ہے۔

اول اول جب ہندوؤں کی طرف سے شدھی کی ابتدا ہوئی تھی، تو مسلمانوں کو اس کا جواب صرف ایک سنجیدہ سکوت کی صورت میں دینا چاہیئے تھا، لیکن چونکہ حصولِ زر کی ایسی طلائی فرصت بہت کم نصیب ہوتی ہے، اسلئے

تمام مصالح کو پس پشت ڈال کر دہی کیا گیا جو طمع و خود غرضی کا تقاضہ ہے اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ایک جاہل قوم کو سبز باغ دکھانے کے بعد پیدا ہو سکتا ہے۔

ضرورت یہ تھی کہ موجودہ کارگاہ تبلیغ کو بھی ختم کر کے، اس سے زیادہ اہم مسائل کی طرف توجہ کی جائے نہ یہ کہ اس حجاب کو اور زیادہ قوی بنا کر مستقبل کے توقعات کو بھی پامال کر دیا جائے لیکن اسے کون دیکھتا اور سنتا ہے۔

دل درپئے دنیائے دوں، جاں رانمتائے دگر
اُں می کند فکر دگر دیں می زند رائے دگر

ہندوستان کی صحافت یوں تو ہر لحاظ سے ناقص و مکمل ہے۔ لیکن اس کا سب سے زیادہ کریہ منظر، اسکی عدم متانت ہے اور یہ عیب بدقسمتی سے ان جرائد و رسائل میں بھی پایا جاتا ہے، جن کی عنانِ ادارت ملک کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں ہے۔

کچھ زمانہ گزرا کہ شریف کی حمایت اور ابن سعود کی مخالفت میں سیٹھ چھوٹانی نے مولانا شوکت علی کے لیئے نہایت سخیف و کریہہ الفاظ استعمال کیئے، اور اسمیں کلام نہیں کہ سیٹھ چھوٹانی کا یہ طرزِ عمل حد درجہ قابل ملامت تھا، لیکن ہمیں کسقدر حیرت ہوئی، ہمدرد کو دیکھ کر جسمیں مولانا محمد علی نے صفحے کے صفحے چھوٹانی کو سب و شتم کرنے کے لیئے سیاہ کر دیئے۔

اس سے قبل جب سرمایۂ خلافت کے اتلاف کے سلسلہ میں چھوٹانی پر پبلک نے بددیانتی کا الزام قائم کیا تھا، تو خود مولانا محمد علی نے انکی حمایت کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ چھوٹانی کو خائن و سارق کسی طرح نہیں کہا جا سکتا، لیکن اب جبکہ اُن کے بھائی کے ساتھ وہ بد سلوکی کے ساتھ پیش آتا ہے، تو مولانا محمد علی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ کر، اُسے چور، خائن اور بددیانت کہنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔

چونکہ مولانا محمد علی ملک کے اُن افراد میں سے ہیں جن کا ایک ایک لفظ ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے اسلیئے اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ اُن کی طرف سے یہ تضاد خیال کیا اثر پیدا کریگا اور آئندہ کے لیئے پبلک اُن کے اقوال پر کیا اعتماد رکھ سکیگی۔

اگر اسوقت چھوٹانی کو خائن کہنا ذاتی مخالفت پیدا ہو جانے کی وجہ سے نہ تھا۔ تو اُسوقت اسکو امین کہنا یقیناً کتمانِ حقیقت تھا، اور پبلک کو دھوکہ میں رکھنا۔ پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا محمد علی ان میں سے کس الزام کو آسان سمجھکر اُس کا اعتراف کرینگے اور وہ اس مسئلہ میں کس تاویل سے کام لے کر ذاتیات کو قومیات سے علیحدہ کر سکیں گے۔

چھوٹانی کی حرکت اسقدر کھلی ہوئی قابل ملامت تھی کہ اگر مولانا محمد علی ایک لفظ بھی اسکے متعلق نہ لکھتے تو بھی ہر شریف انسان اسکو برا سمجھتا، لیکن افسوس ہے کہ مولانا اس باب میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکے جو یقیناً انکی شان کے منافی تھا۔

آیندہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پنجاہ سالہ جوبلی کا انعقاد ہونے والا ہے، اور اس کے لیئے وہاں نہایت وسیع پیمانہ پر اہتمام ہو رہا ہے، مقاصد کی فہرست سکریٹری صاحب دفتر جوبلی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

(۱) علیگڈھ تحریک اور دار العلوم کے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے مسلمانانِ ہند کے خیالات اور قوم کی اجتماعی حیات پر جو اثر پڑا ہے اسکے متعلق ایک مضمون مرتب کرکے پیش کرنا۔

(۲) ملک کے مشہور ماہرین فنون کی تقریروں اور لکچروں کا انتظام کرنا۔

(۳) ملک کی تمام اسلامی درسگاہوں کے اساتذہ کو دعوت دینا۔

(۴) ایک وسیع پیمانہ پر تعلیمی نمائش کا انتظام کرنا جسمیں ایک شعبہ چغتائی آرٹ ایگزبیشن کا بھی ہوگا۔

(۵) سب سے آخر مگر سب سے اہم یہ کہ مسلم یونیورسٹی کی تکمیل کے لیئے دو کروڑ نقد اور پچاس لاکھ سالانہ آمدنی کے انتظام کے لیئے تدابیر اختیار کرنا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی تجویز ہے کہ مسلم تعلیمی کانفرنس، مسلم لیگ، اُردو کانفرنس، اُردو پریس کانفرنس کا سالانہ اجتماع بھی اسی جگہ اسی زمانہ میں ہو۔

مسلم یونیورسٹی اور علی گڈھ کالج کے متعلق اسوقت دو متضاد خیال قائم رکھنے والے گروہ ہندوستان میں پائے جاتے ہیں، ایک اسکو یکسر رحمت و برکت بتاتا ہے، اور دوسرا اسکو ضلالت و گمراہی سے تعبیر کرتا ہے، ہمارے نزدیک یہ دونوں جماعتیں جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں، کیونکہ مسلم یونیورسٹی اگر ایک طرف حقیقتاً ابھی اس معیار تک نہیں پہونچ سکی ہے۔ جو اس کے موسس کے پیش نظر تھا، یا جو حقیقی معنی میں ہمارے درد کی دوا ہو سکتا ہے، تو دوسری طرف مخالف جماعت نے بھی اپنے مساعی کی کوئی ایسی نظیر اب تک پیدا نہیں کی جسکو جواب میں پیش کیا جاسکے۔

جامعہ ملیہ کے قیام نے ابتدا میں مسلم یونیورسٹی کو ایک حد تک ضرور نقصان پہونچایا تھا، اور اول اول جس جوش و خروش کے ساتھ اسکی بنیاد قائم کی گئی تھی اس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ اپنے لائحۂ عمل سے اس نقصان کی تلافی کر دیگی، لیکن اس کا نتیجہ بھی وہی ہوا جو ہمارے عزائم کا ہوا کرتا ہے، اور اب جامعہ ملیہ کا وجود گویا صرف "تربیت امر" ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن امید نہیں کہ یہ "بات کی پچ" بھی زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکے، اسلیئے مایوس ہو کر ہماری نگاہیں پھر مسلم یونیورسٹی کی طرف جاتی ہیں کیونکہ بہرحال اسکی تنظیم مستحکم ہو چکی ہے اور اگر بلا تفریق خیال اجتماعی قوت سے اسکو زیادہ مفید بنانے کی کوشش کیجائے تو کامیابی جلد ہو سکتی ہے۔

جب سے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے ولایت سے واپس آکر اس کا انتظام مستقلاً اپنے ہات میں لیا ہے

حالات بہت امید افزا ہو چلے ہیں اور یقین ہے کہ صاحبزادہ صاحب (اگر مخالف قوتوں نے کسی خودغرضی کی بنا پر موانع حائل نہ کر دیئے) جلد اسکو اس معیار پر لے آئیں گے جو مسلمانوں کی دیرینہ روایات علم و فن کے لحاظ سے زیادہ گرا ہوا نہ سمجھا جائیگا۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جوبلی کو کامیاب بنانے کے لیئے پوری کوشش کی جا رہی ہے، لیکن یہ مساعی بالکل بیکار رہینگی اگر ملک دلچسپی نہ لے۔ اسلیئے ہمارے نزدیک مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو خواہ وہ مخالف ہوں یا موافق اسمیں شریک ہو کر حصہ لینا چاہیئے اور ہندوستان کے اس تنہا تعلیمی مرکز کو بہتر بنانے کے لیئے اپنی ساری کوششیں صرف کر دینا چاہیئے۔

اسی انعقاد جوبلی کے سلسلہ میں ہمارے عزیز (مگر فراموشکار) دوست رشید احمد صاحب صدیقی ایم۔ اے (سکرٹری انجمن اُردوئے معلی مسلم یونیورسٹی) نے بھی ایک مطبوعہ تحریر جسمیں ہمدردان اُردو سے چند استفسارات کیئے گئے ہیں شائع کی ہے۔ ان استفسارات کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) اُردو میں ہندوستان کی مقبول اور مشترک زبان بننے کی کہاں تک صلاحیت ہے اور یہ مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) اُردو کو دنیا کی سنجیدہ اور علمی زبانوں کی سطح پر لانے کے لیئے آپ کیا تجاویز پیش کرتے ہیں۔

(۳) ہندو مسلم تعلقات کو خوشگوار یا ناخوشگوار بنانے میں اُردو کا کہاں تک دخل ہے۔ کیا آپ کوئی ایسی تجویز پیش فرمائینگے جو اس کشاکش کا بطریق احسن ازالہ یا انسداد کر سکے۔

(۴) کیا کسی ایسی مرکزی انجمن یا اکاڈمی کی ضرورت ہے اور اس کا قیام ممکن ہے جو عام طور پر اُردو کے لیئے مفید ہو اور اسکی رہنمائی کر سکتی ہو۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس کو قائم اور کامیاب بنانے کے لیئے آپ کی تفصیلی تجاویز کیا ہونگی۔

(۵) اُردو کو کامیاب بنانے کے لیئے، حکومت، قوم، جماعت، مجالس و افراد پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو محسوس کرانے کا بہترین ذریعہ کیا ہوگا؟

(۶) آپ جس انجمن یا مجلس کے روح رواں ہیں یا جو آپ کا مشغلہ زندگی ہے اسکی بنا پر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا شغل یا آپ کی رکنیت اُردو کے لیئے کہاں تک مفید ہے یا ہو سکتی ہے؟

(۷) اسوقت ہندوستان میں ایسی کونسی علمی جماعتیں یا تحریکیں ہیں جنکو آپ بحالت موجودہ اُردو کے لئے بہترین تصور کرتے ہیں۔

(۸) کسی ایسے شخص کو جو اُردو بالکل نہ جانتا ہو یا جاہل محض ہو، آپ کسطرح جلد سے جلد معمولی حیثیت کا اُردو داں بنا سکتے ہیں؟۔

(۹) آپ جس مقام یا صوبہ سے تعلق رکھتے ہیں وہاں اُردو کی کیا حالت ہو اور بحالت موجودہ آپ اصلاح و ترقی کی کیا تجویز پیش فرماتے ہیں؟۔

(۱۰) سوالات بالا کے علاوہ اس سلسلہ میں اور کیا ضروری سوالات قائم کئے جا سکتے ہیں اور ان کا جواب آپ کے نزدیک کیا ہوگا؟۔

اسمیں شک نہیں کہ رشید صاحب کے یہ سوالات نہایت اہم ہیں اور تمام بہی خواہان اُردو کو اپنی اپنی جگہ ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چونکہ آیندہ جوبلی کے موقعہ پر اُردو کانفرنس میں ایک مکمل رپورٹ اُردو کے متعلق پیش کیجائیگی، اسلئے رشید صاحب چاہتے ہیں کہ وہ پہلے اس مسئلہ میں ہندوستان کے اکثر ارباب ذوق کی رائے حاصل کرلیں۔

دس اکتوبر تک ان استفسارات کا جواب سکرٹری صاحب انجمن اُردوئے معلیٰ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے نام پہونچ جانا چاہیئے۔

اس دوران میں ابن سعود اور شریف کے طرفداروں نے ہندوستان میں بھی خاصی چہل پہل پیدا کردی تھی، لیکن چونکہ شریفی جماعت کمزور تھی اور باوجود باغی پروپاگنڈا کے بھی کوئی اہمیت اسے حاصل نہ ہوئی تھی اسلئے کوشش کی گئی کہ ابن سعود کے خلاف روضۂ نبوی کے قبۂ مبارک کے انہدام کا الزام قائم کرکے، لوگوں کے دلوں کو اسکی طرف سے مسموم کیا جائے، اول اول تو اس خبر نے بہت اضطراب پیدا کردیا، لیکن بعد کو جب حقیقت کا علم لوگوں کو ہوا تو اسمیں کمی پیدا ہوئی اور آہستہ آہستہ طبیعتیں پھر اعتدال پر آگئیں۔

اس مسئلہ میں نہایت اہم اور دلچسپ واقعہ بشیر حسین صاحب قدوائی کی قیادت کا ہو۔ جنھوں نے باوجود اس علم کے بھی کہ ابن سعود کے خلاف روضۂ نبوی کے ساتھ گستاخی کرنے کا واقعہ بالکل غلط ہے، آخرکار ایک انجمن کی بنیاد قائم کرہی دی اور لکھنؤ کے خطبہ میں اپنی سیادت کے بقاء و تحفظ کے لیے اخلاق کا بدترین منظر پیش کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔

مولانا حسرت موہانی بھی، جن پر تصوف پوری طرح مسلط ہوگیا ہے، اس مسئلہ میں شاید مشیر حسین صاحب کے ہمنوا ہیں اور اگر اسپر کسی کو حیرت نہ ہو تو کم از کم افسوس ضرور ہوگا۔

سید وصی احمد صاحب بلگرامی فانی کے مضمون "ملک خطا کے شہزادے" نے ملک کے ایک مخصوص طبقہ کو برہم کر رکھا ہے اور ہمارے پاس بھی متعدد خطوط برہمی کے اظہار میں آئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ لکھنے والے نے ادب و انشا کی آڑ میں اپنی عصبیت سے بہت ناجائز حد تک کام لیا ہے اور بعض اکابر کے متعلق سخت ناملائم الفاظ استعمال کیئے ہیں، اور اس کا مطالبہ مجھ سے کیا جاتا ہے کہ کیوں نہ میں نے ان الفاظ کو خارج کر دیا۔ یا یہ کہ ایسے مضمون کی اشاعت سے کیوں نہ احتراز کیا، چونکہ میں ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ جواب نہیں دے سکتا اسلیئے ملاحظات کے سلسلہ میں مختصراً بتا دینا چاہتا ہوں کہ جسوقت یہ مضمون مجھے موصول ہوا تھا، اُسی وقت میں نے اسکو محسوس کیا تھا کہ فاضل مضمون نگار اظہار خیال میں کہیں کہیں ذرا حد سے متجاوز ہو گئے ہیں۔ لیکن میں نے اسکی اشاعت کو قصداً روا رکھا تاکہ جس شخص کو اس سے اختلاف ہو وہ علمی و تاریخی حیثیت سے اس کا رد کرے۔

سب سے زیادہ اعتراض اسپر ہے کہ امام حنبل کے متعلق جو الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں وہ نہایت سخت ہیں، اسی طرح مولانا شبلی کی نسبت جو اظہار خیال کیا گیا ہے، وہ بھی نادرست معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس اعتراض کو صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو بھی وہ مضمون کی عدم اشاعت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ امام حنبل یا مولینا شبلی کے متعلق کسی شخص کا ایسا اظہار خیال کرنا جو مسلمانوں کے کسی خاص طبقہ کے خیال سے منافی ہو۔ کوئی ایسا جرم نہیں ہے جو منجر بہ کفر و ارتداد ہو۔ فانی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اسکو تاریخی نقطۂ نظر سے ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے، اسلیئے اگر کوئی صاحب اسکو صحیح نہیں سمجھتے تو وہ بھی اسکے خلاف لکھ سکتے ہیں اور فانی صاحب کے دعوے کو غلط ثابت کر سکتے ہیں۔ صرف غیظ و غضب کا اظہار، برہمی اور غیر محققانہ اعتراض لایعنی سی بات ہے اور اس کا اثر کوئی نہیں ہو سکتا۔

میں تمام اُن حضرات کو جو فانی صاحب سے اختلاف رکھتے ہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اور اسکے لیئے میں ایک ماہ کی مہلت دیتا ہوں جس کے بعد میں خود اس مسئلہ پر قلم اٹھاؤنگا۔

اگست کے نگار میں ۹۲ صفحہ پر امین حزیں کی تیسری رباعی غلط شائع ہوگئی ہے، براہ کرم اُسے اسطرح درست کر لیا جائے:۔

اے بوالہوس، ابتلاست بس مقصدِ ما | اے بیخبر، ارتقاست بس مقصدِ ما
ما شکوۂ حسنِ دوست ہرگز نہ کنیم | لاریب حزیں وفاست بس مقصدِ ما

مجھے افسوس ہے کہ اسوقت تک میں اُن کتابوں پر ریویو نہیں کر سکا جو اس زمانہ میں وصول ہوئی ہیں، لیکن امید ہے کہ آیندہ ماہ میں جو آٹھویں جلد کا آخری مہینہ ہوگا اس فرض سے عہدہ بر آ ہو سکونگا۔ اسی طرح اُن حضرات کی خدمت میں بھی معذرت کرنا ہے جن کے استفسارات پر اسوقت تک توجہ نہیں کر سکا۔ کیا کروں تنہا میں ایک کام کرنے والا ہوں اور مشاغل اتنے کہ اگر مسلسل ۲۴ گھنٹے بیٹھکر روزانہ کام کروں تو بھی کما حقہ وقت پر ان کو پورا نہیں کر سکتا تاہم مجھے اس کا احساس ہے اور ہر وقت یہی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ کسی شکایت کا موقعہ نہ ملا۔ ممکن ہے کہ خدا میری اس سعی کو کسی وقت مشکور بنا دے۔

نومبر کے یہ ملاحظات میں ۳۰ ستمبر کو لکھ رہا ہوں اور اسوقت تک سید محمد اسحاق صاحب نمایندہ نگار اپنی بیماری کی وجہ سے دورہ پر نہیں جا سکے۔ لیکن امید ہے کہ جسوقت تک یہ رسالہ شائع ہوگا وہ صوبۂ بہار کے اضلاع میں موجود ہونگے۔ کیا میں اُن ناظرین نگار سے جو صوبہ بہار کے رہنے والے ہیں یہ توقع کر سکتا ہوں کہ وہ توسیع اشاعت میں انکی مدد کرینگے؟

آپ صفحہ (۵۲) پر منیجر نگار کی طرف سے ایک اعلان ملاحظہ فرمائیں گے، جسمیں انہوں نے شہاب کو بجائے ایک روپیہ کے ۱۲ میں دینے کی تجویز پیش کی ہے۔ ہر چند میں ذاتی طور پر اس کا مخالف تھا، لیکن چونکہ اصول کاروبار کے لحاظ سے وہ اسکو زیادہ مفید سمجھتے ہیں اسلیے اگر حرج نہ ہو تو اسپر غور کیجیے اور ممکن ہو تو عمل بھی۔

اسوقت تک شہاب کی طرف لوگوں کو ایسی توجہ نہیں ہوئی جیسی میں چاہتا تھا۔ ممکن ہے کہ اس طرح آپ کو تشریق پیدا ہو اور آپ اس کا مطالعہ کر سکیں۔

چونکہ وی پی سسٹم حد درجہ تکلیف دہ ہے، اسلیے اگر سالانہ چندہ سب حضرات منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجدیا کریں تو بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔ بہر حال آیندہ ماہ میں اکثر حضرات کا چندہ ختم ہوتا ہے اور اُن کو موقع حاصل ہے کہ وہ نگار کی خریداری کے ساتھ ساتھ شہاب کو بھی تقریباً مفت حاصل کر سکیں۔

ہندوستانی صنعت وحرفت کی بربادی

(صنعتی کمیشن رپورٹ سے)

جب ہم ہندوستان کے حالات طبعی پر نظر ڈالتے ہیں تو آسانی سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ہندوستان بجائے ایک ملک ہونے کے چھوٹا سا براعظم ہے۔ جسکو شمال ومغرب کی سمت سے کوہ ہمالیہ کا قدرتی حصار گھیرے ہوئے ہے اور مشرق وجنوب ومغرب میں بحر ہند وبحیرۂ عرب اسکے سواحل کی پابوسی کررہے ہیں جنہوں نے اسکو دنیا سے الگ کرکے ایک مستقل حیثیت دیدی ہے۔ اسکے سر بفلک پہاڑ بڑی بڑی وادیاں، لانبے چوڑے دریا، وسیع قطعات زرخیز زمین، گھنے جنگل بافراط معدنی دولت سرعت سے بڑھنے والی آبادی کو دیکھکر بے اختیار قدرت کی فیاضیوں کی داد دینی پڑتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ یہ خطہ دنیا کی بڑی بڑی اقوام کی کوششوں کا جولانگاہ بنا ہوا ہے اور معلوم نہیں کہ آئندہ کب تک، ایسا ہی رہیگا۔

وسط ایشیا سے سب سے پہلے آرین قوم اس کے بعد مغل وتاتاری آکر یہاں آباد ہوئے۔ عرب ویونانی یہاں فاتحانہ داخل ہوئے اور نہ جانے کتنی قومیں شمال ومغرب کے دروں سے داخل ہوکر یہیں کی ہورہیں۔ اکثر حملہ آور یہاں سے دولت سمیٹ کر لے گئے۔ لیکن پھر بھی یہ ملک جوں کا توں بنا رہا۔ مغربی اقوام کے ساتھ اسکی تجارت ہمیشہ سے تھی اسلئے ساری دنیا میں اسکی زرخیزی کے افسانے مشہور تھے۔ ہسپانیہ میں عربوں کی تباہی کے بعد یورپ میں ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اور واسکوڈیگاما پہلا یورپین جہازراں افریقہ کے گرد چکر لگاتا ہوا ہند کے جنوبی مغربی ساحل پر کالی کٹ کے بندرگاہ میں لنگرانداز ہوا۔ پھر کیا تھا۔ فرانس، ہالینڈ، جرمنی، انگلستان سب کو اس ملک میں آنے کی ترغیب ہوئی اور متعدد کمپنیاں بناکر تاجروں کے لباس میں سارے ساحل پر چھا گئے۔ سلطنت مغلیہ کی تباہی کے بعد متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ملک تقسیم ہوگیا۔ اور آپس کی نااتفاقی کی بدولت انگریزی اقبال کا ستارہ چمکا اور اپنی اعلیٰ سیاست دانی کی بناء پر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرلی۔ بس اسی وقت سے اس ملک کی خوشحالی او صنعت وحرفت میں انقلاب کی بنیاد پڑی۔

قدیم ہندوستانی حرفت وتجارت اب ہم چند یورپین مورخین کی زبانی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ زمانۂ قبل تاریخ

سے لیکر زمانہ متوسط تک یہاں کی مختلف صنعتوں کیا حال تھا اور وہ رفتہ رفتہ کیونکر تباہ ہوئیں۔ پروفیسر (Weber) لکھتے ہیں کہ "ہندوستان باریک سوت کے کپڑے۔ رنگ سازی۔ دہاتوں اور قیمتی پتھروں کے کام۔ عطر سازی اور ہر قسم کی دیگر مصنوعات کے لیے دنیا میں مشہور تھا، اس بات کا بھی کافی ثبوت موجود ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح بابل اور ہندوستان کے درمیان تجارت ہوتی تھی اور مصر کے قدیم مقبروں میں دو ہزار سال قبل مسیح کے مردوں کی لاشیں ہندوستان کی نہایت درجہ نفیس و باریک ململ میں لپٹی ہوئی پائی گئی ہیں۔ اسکے علاوہ ہندوستانی مصنوعات کی کھپت روم میں بھی تھی۔ کیونکہ قدیم مورخ (Pliny) اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ "ملک کی ایک بڑی رقم ہر سال ہندوستان کے ساتھ تجارت میں صرف ہوتی ہے"۔ یونانی ڈھاکے کی ململ کو (gangetic) کہتے تھے یہ اسلیئے کہ یہ شہر دریائے گنگا کے ساحل پر واقع ہے، اس سے نہایت سہولت کے ساتھ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اب سے دو ہزار سال قبل ہندوستان میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے لیے صنعت انتہائی عروج پر تھی حالانکہ اسکے برخلاف انگلستان میں صرف سترہویں صدی عیسوی سے اس کا آغاز ہوا۔

لوہے کی صنعت کے متعلق پروفیسر ولسن (Wilson) کی رائے ہے کہ "ابھی چند دنوں سے انگلستان میں لوہا گلانے کا کام شروع ہوا ہے، مگر ہندو لوگ زمانہ قبل تاریخ سے لوہا گلانا، ڈھالنا اور فولاد بنانا جانتے تھے"۔ اسکے علاوہ مسٹر راناڈے ؁۱۸۹۲ء میں اپنی کتاب معیشت الہند میں لکھتے ہیں "کہ لوہے کی حرفت نہ صرف اپنی مقامی ضروریات کو پورا کرتی تھی بلکہ ہندوستان اپنی بنائی ہوئی اشیاء ممالک غیر کو بھی روانہ کرتا تھا اور جنکی خوبی ساری دنیا میں مشہور تھی، دلی کے قریب جو لوہے کی لاٹ اب تک موجود ہے وہ تقریباً ۱۵ سو سال پرانی ہے وہ گڑھے ہوئے لوہے کی اعلیٰ صنعت ہے اور ہر شخص نے اسکو تعجب کی نظر سے دیکھا ہے۔ مسٹر (Ball) معترف ہیں کہ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ دنیا کے سب سے بڑے کارخانوں میں بھی ایسے بڑے ستون کی تیاری ناممکن تھی اور اس زمانہ میں بھی مقابلتہً صرف چند ایسے کارخانے ملیں گے جنمیں کسی دہات کی اتنی بڑی مقدار ڈھالی جا سکے۔ چوڑے دہانے کی توپیں ملک آسام میں تیار ہوتی تھیں۔ دمشق کی مشہور تلواریں بھی ہندوستانی فولاد سے بنتی تھیں۔ جنکو ایرانی تاجر خرید کر مغربی ایشیا کو لیجاتے تھے۔

سکندر اعظم کے حملہ سے صدیوں قبل ہندی لوگ نہایت خوشحال تھے اور یہ حالت اٹھارویں صدی کے اخیر یعنی سلطنت مغلیہ کے اختتام تک باقی رہی، اسوقت سے اب تک برابر انحطاط جاری ہے زمانہ قدیم کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر الفنسٹن اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ "قدیم یونانی مورخین نے جو حالات اپنے چشمدید

لکھے ہیں، یعنی جن مقامات کا انہوں نے سفر کیا تھا، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی گنجان اور رعایا خوشحال تھی، تجارتی شہر اور بندرگاہ جنمیں غیر ممالک سے تجارت ہوتی تھی بکثرت تھے، (Pereplums) نے بھی بعد میں ان کا ذکر کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے وہ قوم جسنے اس شاخ میں اسقدر ترقی کری تھی، تمدن و تہذیب میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھی، (Arrian) کا بیان ہے کہ ہر شخص آزاد ہے جنگ و صلح ہر دو اوقات میں فوج ملازم رہتی ہے، پولیس عمدہ حالت میں ہے، (Mages Thenes) یونانی سفیر جو کئی سال تک دار الخلافت پٹنہ میں رہ چکا تھا بیان کرتا ہے کہ دربار میں چار لاکھ کی آبادی تھی، لیکن جرائم میں بہت کمی تھی اور کبھی کوئی چوری ۲ پونڈ قیمت سے زیادہ کی نہیں ہوئی۔ تمام کھیتوں کی پیمائش ہوتی تھی اور آبپاشی کے لیئے پانی کی تقسیم نہایت باقاعدہ تھی تجارت پر محاصل اور تجار پر انکم ٹکس لگایا جاتا تھا، شاہی سڑکیں نہایت عمدہ تھیں اور ان پر میل و فرسنگ کے نشانات لگے ہوئے تھے، تمام خاندانوں میں سونا، جواہرات، ریشمی کپڑے اور زیورات کی کثرت تھی، ہر قسم کے غلے اور مسالے بافراط پیدا ہوتے تھے، جس سے ظاہر ہے کہ رات کی حالت نہایت اچھی تھی۔ خانگی معاملات میں صفائی تھی۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ ان کا سلوک عمدہ تھا۔ تعلیم عامہ بہت ترقی پر تھی اور یہاں کے روشن دماغ لوگ خدا کے وجود کا وہ تخیل رکھتے تھے جسکو شہر (Athens) اپنے انتہائی عروج میں بھی ایک دھندلے نقش سے زائد پیش نہ کرسکا۔

پریپلیٹون کا مصنف بیان کرتا ہے کہ "اول صدی مسیح میں تمام مغربی ممالک خصوصاً روم میں ہندوستانی اشیاء کی مانگ تھی، اور بہت سے مغربی سیاحوں نے ہندی تجارت کا ذکر کیا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں ایک چینی سیاح ہند میں آیا تھا اور ہر چند اسکا مقصد صرف بودھ کی یادگاروں کی زیارت کرنا تھا، لیکن اس سلسلہ میں اس نے جن مقامات کو خود دیکھا تھا وہاں کی مالی حالت۔ صنعت و حرفت اور ترقی علوم کا بھی ذکر کیا ہے، اس سے زائد اور مفصل حالات ہم کو مشرق بعید کے دوسرے سیاح کی زبانی معلوم ہوتے ہیں جس کا نام ہیون تسانگ تھا اور چھٹی صدی عیسوی میں شمال و مغرب سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ اسنے بھی یہاں کی دولت، تجارت و صنعت و حرفت کے حالات اپنے سفرنامے میں تحریر کیئے ہیں۔ اسکے بعد اسلامی عروج کے زمانہ میں۔ ابن بطوطہ ایک عرب سیاح کا گزر ہندوستان میں ہوتا ہے وہ ہر چیز کو نہایت عمیق اور محققانہ نظروں سے دیکھتا ہے اور نہایت مفصل طور سے حالات اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے،

جنگ ہائے صلیبی کے زمانے ہندوستان کی تجارت اول وینس بعد ازاں جنیوا کے راستے سے

مغربی ممالک میں ہوتی تھی، مارکوپولو سیاح جو تیرہویں صدی میں ہندوستان آیا تھا اسنے بھی اُس مغربی تجارت کو وسیع پیمانہ پر ہوتے دیکھا تھا۔ البتہ گیارہویں صدی عیسوی میں کچھ عرصہ تک افغانی حملوں کی وجہ سے تجارت و صنعت کو کسیقدر نقصان پہونچا تھا اور ملک کی بیشمار دولت جسکو محمود غزنوی سمیٹ کرلے گیا تھا ملک کی عام ترقی وخوشحالی کا کافی ثبوت ہیں لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ملک کی حالت بہتر ہوگئی اور سلطنت مغلیہ کے عروج کے ساتھ بحالی امن وامان کے زمانے میں یہاں کی زمین سونا اُگلنے لگی اور ہر قسم کی صنعت وحرفت اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گئی اور اکبر کا انتظام سلطنت اور اسکی صلح کل پالیسی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ اور اسکی دولت کی شہرت ایک افسانہ بن گئی۔

برنیر جسنے شاہجہاں کے زمانہ میں یہاں کی سیاحت کی تھی، اسنے اپنا ایک مفصل سفرنامہ ترتیب دیا ہے۔ اسمیں دارالسلطنت دہلی کا ذکر بڑی شان سے کرتا ہے۔ بڑے بڑے خزانے۔ سونا۔ چاندی۔ زیورات۔ جواہرات اور موتیوں کو دیکھکر اسکی آنکھیں کھل گئیں۔ اسکے کچھ عرصے کے بعد ٹیوو یز دوسرا یوروپین سیاح ملک میں داخل ہوتا ہے اور دربار مغلیہ میں تخت طاؤس، ریشم اور سونے چاندی سے بنے ہوئے فرش و پردے، زرق برق امرا کے لباس کمخواب واطلس حریر و دیبا کے کپڑے اسکی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کردیتے ہیں اور یہاں کی صنعت نقاشی، سنگتراشی اور تجارت کی افراط پر اظہار تعجب کرتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

۳۱ر دسمبر سنہ۱۶۰۰ء کی تاریخ میں ایسٹ انڈیا کمپنی ملکہ الزبتھ کے فرمان کے ذریعہ سے مشرقی ملکوں سے تجارت کے لیئے قائم ہوئی اور اکبر کے دربار میں ملکہ مذکور کا خط بغرض طلب اجازت پہونچا۔ جس سے چند کوٹھیاں ساحلی مقامات پر قائم کرنے کا موقع انگریز تاجروں کو مل گیا۔ اس سے قبل فرانسیسی جرمنی اور ہالینڈی کمپنیاں قائم ہوچکی تھیں۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ۱۷۵۷ء میں جب پلاسی کی جنگ میں لارڈ کلایو کو نواب سراج الدولہ کی افواج کے مقابلے میں کامیابی ہوئی تو ایک وسیع سلطنت کے قیام کے لیئے باقاعدہ کوشش شروع ہوگئی۔ اور دہلی کے مجہول بادشاہ شاہ عالم سے محکمۂ دیوانی انگریزوں کو سپرد کرکے ملک کا مالک بنادیا۔ فرانس نے بھی اپنے قابل افسر ڈوپلے کی وساطت سے ایک مشرقی سلطنت کا خواب دیکھا مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔ انگریزی حکومت کی ترقی کے ساتھ تجارت کو وسعت ہوتی گئی اور اسیوقت سے اسکی ملکی دولت باقاعدہ لٹنا شروع ہوئی، جس کا سلسلہ منوز ختم نہیں ہوا۔ مسٹر لیکی مورخ کا بیان ہے کہ "انگلستان کے تاجر تمام خطرات کو برداشت کرنے کے بعد بھی ہندوستان کی بہترین ململ خریدتے تھے۔ سترہویں صدی کے آخر میں یہاں کی

سستی ململ - چھینٹیں وغیرہ کی اسقدر مانگ بڑھی کہ وہاں کے ریشم اور اُن کے کارخانوں کے صناع سخت پریشان ہوئے اسپر سنہ ۱۷۰۰ء و سنہ ۱۷۲۱ء کے درمیان اپنے خاص قوانین نافذ کرکے چند مستثنیات کے علاوہ چھینٹ یا رنگے ہوئے کپڑوں کے لباس کی ممانعت کردی۔" لارڈ کلائیو مرشد آباد بہو نچکر وہاں کی حالت اپنے ایک مراسلہ میں لکھتا ہو "یہ شہر مثل لندن کے نہایت وسیع اور آباد ہے فرق صرف اسقدر ہے کہ یہاں شخصی دولت کی افراط ہے۔ سر ہنری کاٹن نے سنہ ۱۸۹۰ء میں لکھا تھا کہ "شہر ڈھاکہ کی کل مجموعی تجارت دو کرور روپیہ کی اور آبادی دو لاکھ ہے - سنہ ۱۷۸۷ء میں ڈھاکہ کی ململ تیس لاکھ روپیہ قیمت کی انگلستان روانہ ہوتی تھی لیکن سنہ ۱۸۱۷ء میں بالکل بند ہوگئی - سوت کاتنے اور کپڑا بُننے کی صنعت جو زمانہ دراز سے صناعوں کی پرورش کا ذریعہ تھی بالکل جاتی رہی اور وہ خاندان جو شہروں میں نہایت درجہ عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے گانوں میں جاکر آباد ہوئے اور زراعت سے اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہوئے، اسوقت شہر ڈھاکہ کی کل آبادی ستر ہزار ہے یہ کمی نہ صرف اسی ایک شہر میں ہوئی ہے بلکہ ملک کے ہر حصے میں پائی جاتی ہے - اور افسران ضلع ہر سال برابر اپنی رپورٹوں میں دستکاروں کی فاقہ کشی کی شکایت کرتے ہیں۔"

مسٹر رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ "انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی چار سالوں میں باوجود مخالفت کے چھ سے لیکر پندرہ گٹھے سوتی کپڑوں کے ہر سال کلکتہ کے بندرگاہ سے جزائر برطانیہ کو جہازوں میں روانہ ہوا کرتے تھے لیکن سنہ ۱۸۱۳ء میں یہ تعداد گھٹ گئی، اور سنہ ۱۸۱۵ء میں شخصی آزادی تجارت کے ساتھ دفعتہً اسمیں کچھ اضافہ ہوگیا - مگر یہ ترقی محض عارضی تھی اور سنہ ۱۸۲۰ء کے بعد سوتی کپڑے کی مانگ بتدریج گھٹتی گئی اور پھر کبھی نہ ابھری -

ہندوستان زرعی ملک کیونکر بنا

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی انتظام ہی کے وقت انگلستان کے جولاہے بنگال کے جولاہوں سے حسد کرنے لگے کیونکہ یہاں سے ریشم کے کپڑے ولایت جانے لگے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات کی درآمد بند ہوگئی - مسٹر رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ "ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو ملکی اختیارات حاصل ہوئے ان سے کام لے کر اسنے ہندوستانی مصنوعات کو خارج کرنا چاہا - یہاں تک کہ ۱۷ مارچ سنہ ۱۷۶۹ء کو جو مراسلہ آیا اسمیں لکھا تھا کہ بنگال میں خام ریشم کی پیداوار بڑھائی جاوے - اور ریشمی کپڑوں کی تیاری میں کمی کی جائے اور اسمیں اسبات کی بھی سفارش تھی کہ کاریگر صرف کمپنی کے کارخانوں میں کام کریں اور اپنے خانگی کاروبار ترک کردیں - چنانچہ اسپر عمل کیا گیا اور کاریگروں پر نہایت سختی کی گئی، جس سے مقصود صرف یہ تھا کہ ہندوستان کی صنعت کو تباہ و برباد کردیا جائے -

مسٹر ڈگبی سنہ ۱۸۱۳ء میں لکھتے ہیں کہ ہندوستانی تجارت کو بند کرنے کے لیے انگلستان میں چیزوں پر حسب ذیل

محصول عائد کیئے، سو پونڈ قیمت کے سوتی کپڑے پر ۸۱ پونڈ - ۲ شلنگ - ۱۱ پنس، روئی پر ۱۶ شلنگ - ۱۱ پنس - اونی کپڑے پر ۸۴ پونڈ - ۶ شلنگ - ۳ پنس - اور سفید سوتی کپڑے جن پر چکن کا کام بنا ہو - ۳۲ پونڈ - ۹ شلنگ - ۲ پنس - علاوہ روئی کے دوسری مصنوعات پر ۳۲ پونڈ - ۹ شلنگ - ۲ پنس - یہ بھاری محصول بعد میں بند کر دیئے گئے - لیکن اسوقت جبکہ تجارت ہند بالکل تباہ ہو چکی - برخلاف اسکے ہندوستان میں انگریزی قبضہ کے بعد سے ولایتی اشیاء بلا محصول یا برائے نام محصول پر آنے لگیں، چنانچہ عین اسوقت جبکہ ہندوستان کی سوتی اشیاء پر انگلستان میں ۸۱ پونڈ محصول عائد تھا - انگریزی روئی کی مصنوعات ۲½ فیصدی محصول پر ہندوستان آتی تھیں - اس کا جو نتیجہ ہوا اسکے متعلق مسٹر ہنری باسر نکر لکھتے ہیں - "خالص ریشمی اور مشروع کپڑے ہماری بازاروں سے اب ایک قلم خارج ہو چکے ہیں حال کی ۷۰ فیصدی محصول بر آمد کی وجہ سے یا مشینوں کی بدولت وہ سوتی کپڑے جو اب تک ہندوستان کی نوآبادیات کا ذریعہ تھے ان کے بجائے ہمارے یہاں کے سوتی کپڑے کل ایشیائی مقبوضات میں استعمال ہونے لگتے ہیں اور اسطرح ہندوستان صنعتی ملک کے بجائے ایک زرعی ملک بنا دیا گیا ہے - مسٹر ولسن مصنف تاریخ ہند لکھتے ہیں "۱۸۱۳ء میں ہندوستان کے سوتی کپڑے انگلستان کے بُنے ہوئے کپڑوں کے مقابلہ میں ۵۰ یا ۶۰ فیصدی منافع سے فروخت ہوتے تھے اسلیئے براہ راست اُن کو روکنے کے لیئے ۷۰ اور ۸۰ فیصدی تک اُن پر محصول عائد کیا گیا - اگر ایسا نہ ہوتا اور ہندوستانی مصنوعات جبراً نہ روکی جاتیں تو مانچسٹر کی ملیں باوجود دخانی انجنوں کے استعمال کے ان کے مقابلہ میں نہ چل سکتیں وہ صرف اسی صورت میں کامیاب ہوئیں کہ ہندوستانی مصنوعات کی در آمد روک دی گئی -

صنعت جہاز سازی

یہ صنعت بھی جو اس ملک میں قدیم الایام سے چلی آتی تھی برطانوی جہاز سازوں کے رشک و حسد کا شکار ہو گئی، ورنہ یہاں کے جہاز ایک عرصہ سے مشرق و مغرب ممالک میں دور دراز سفر کیا کرتے تھے - ڈاکٹر مکرجی اپنی کتاب "ہندوستانی جہاز رانی کی تاریخ" میں لکھتے ہیں کہ "دارا اور سکندر نے بھی ہندوستان میں سیکڑوں جہاز تیار کرائے تھے اور یہاں کے جہاز مغرب میں افریقہ اور مکسیکو تک جاتے تھے اور مشرق میں جاوا، سماٹرا، بورنیو، اور کینٹن کے بندرگاہوں تک ان کی رسائی تھی - صرف ایک سو سال پیشتر تک ہندوستان کی جہاز سازی و جہاز رانی نہایت عمدہ حالت میں تھی اور یہاں کے بنے ہوئے جہاز دریائے ٹیمس کے بندرگاہ میں انگلستان کے بنے ہوئے جہازوں کے ہم رکاب سفر کیا کرتے تھے - لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہند نے ۱۸۰۰ء میں لندن کو لکھا تھا کہ "کلکتہ کے بندرگاہ میں دس ہزار ٹن د ز ن کے جہاز موجود ہیں جو ہندوستان ہی میں تیار ہوئے ہیں - یہ جہاز انگلستان کو اسباب لیجانے کے قابل ہیں، یہ ساری تعداد دخانی جہازوں

ہے جو بندرگاہ میں موجود ہیں اور بنگال میں یہ صنعت اپنے انتہائی کمال کو پہونچ چکی ہے - چونکہ یہاں لکڑی بافراط ملتی ہے اسلیئے یہ امید ہوسکتی ہے کہ جسقدر روزنی جہازوں کی ضرورت ہوگی یہ بندرگاہ یقینی طور پر ہمیشہ مہیا کرسکے گا - اور بنگال سے انگریزی مال انگلستان کو لیجانے کی ضرورت کو پورا کریگا -

مسٹر ٹائیلر اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ " ٹمس کے بندرگاہ میں ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں میں ہندی پیداوار کے آنے سے اجارہ داروں میں اسقدر سنسنی پھیل گئی، کہ کسی دشمن سلطنت کے بیڑے کے داخلہ سے بھی نہ پیدا ہوتی - لندن کے بندرگاہ میں جہازسازوں نے چیخ پکار شروع کردی، کہ انکی صنعت تباہی کے قریب پہونچ چکی ہے - اس آواز کا یہ اثر ہوا کہ کمپنی کی مجلس عاملہ نے ہندوستان اور انگلستان کے مابین تجارت میں ان جہازوں کے استعمال کی ممانعت کردی " مسٹر ڈگبی لکھتے ہیں کہ " اسوقت ان لوگوں نے ایک ایسی ویل بیش کی جو موجودہ حالت میں جبکہ تمام بڑی بڑی کمپنیوں کے جہاز مشرقی ملکوں میں جاتے تھے تعجب خیز معلوم ہوگی - ہندوستانی ملاحوں کے خلاف ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ یہ لوگ سرد ممالک میں بحری سفر کے ناقابل ہیں - یعنی اپنی جسمانی ساخت اور تندرستی کے لحاظ سے بحری خطرات کے مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے - علاوہ اسکے ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جب ہندوستانی ملاح یہاں آتے ہیں تو ان کے دلوں سے یوروپین اقوام کا خوف نکل جاتا ہے - اور واپس جاکر حقارت آمیز اطلاعات بہم پہونچاتے ہیں - اس سے ہماری ایشیائی رعایا کے دل سے ہمارے اثر کے زائل ہوجانے کا اندیشہ ہے جو اب تک مشرق میں ہمارے تفوق کا باعث رہا اور جس کے باقی نہ رہنے پر نہایت خوفناک نتائج پیدا ہوجانے کا امکان ہے - لہٰذا جسمانی اخلاقی تجارتی اور سیاسی وجوہ کی بناء پر ہندوستانی ملاحوں کا بحری ملازمت میں داخل کرنا یا ایسے جہازوں کو جنمیں ہندوستانی ملاح ہوں رعایات سے مستفید ہونے دینا حد درجہ قابل اعتراض ہے -

مسٹر رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ " انگلستان کا یہ طرز عمل تقریبًا چالیس پچاس سال تک جاری رہا، اور دارالعوام کے روبرو ۱۸۳۳ء تک نہایت سختی کے ساتھ اسپر عملدرآمد ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی مصنوعات تباہ ہوکر انگریزی صنائع کو ترقی ہونے لگی -

احمد حسین قدوائی

شیخ الاسلام حضرت جمال الدین گجراتی رحمتہ اللہ علیہ

مسعود نام، جمال الدین لقب اور عرف عام ہے، والد کا نام شیخ محمود تھا، پیران پٹن میں پیدا ہوئے[۱]

والد کی متاع علم کا سب سے زیادہ درخشاں جوہر، قرآن و حدیث کا تبحر تھا[۲]۔ اور یہی ان کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا، انہوں نے بیٹے کی تعلیم بھی اسی نسخہ کیمیا سے شروع کی، اور پندرہ بیس برس کی عمر میں علوم حدیث و تفسیر کا عالم بنا دیا، گر بیٹے نے اسی پر بس نہیں کی، اسلئے فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں یاد دیکھیں، منطق و فلسفہ کے ابتدائی رسائل مطالعہ کیے، اور جب دیکھا کہ بغیر استاد کے آگے نہیں بڑھ سکتے، اور ان علوم کا حاصل کرنا بھی بمنزلہ فرض ہے تو وہ والد سے اجازت لیکر گھر سے نکلا، سب سے پہلے ملا عبد الحکیم کے مدرسہ میں پڑھا، وہاں سے رخصت ہوکر مولانا عبد الرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر کچھ دن مولانا عماد طاری کا فیض صحبت اٹھایا۔ ملتان میں شیخ حسام الدین متقی کی شاگردی کی، اور پھر دہلی میں چند سال رہ کر یہاں کے علماء عقل و نقل سے استفادہ کیا[۳]

لیکن علم کے سمندر کی کوئی تھاہ نہیں۔ جسقدر پڑھنے لگے میدان زیادہ وسیع ہوتا گیا، شوق طلب نے ہندوستان سے باہر قدم نکالا۔ اور کامل آٹھ برس شام، دمشق، عراق، ایران، بغداد، بصرہ، کوفہ، یمن کے بازاروں میں پھرے اور ہر علم و فن کا اتنا سرمایہ جمع کر لیا کہ دور دور نظیر نہ تھی۔ سلسلۂ نظامیہ میں لکھا ہے کہ:۔

"بہ کرسفر شتافتہ و مدتے بہ مجاورت بیت اللہ سعادت اندوخت، و دریں ایام سعادت آوان نزد شیخ الحرمین ابطرابلسی شوافع حدیث سماع نمود، از بنجا عراق و بغداد، و دمشق و کوفہ رفتہ از شیوخ فراواں علوم مختلفۃ الکتاب کرد و درجہ عالی بہم رسانید"

تذکرۃ الفضلا میں لکھا ہے:۔

نقادۂ علماء سنراوقیین و سلالۂ حکماء مشائین است، برائے تحصیل علوم عراق و ایران و مصر و شام رفتہ از شیوخ فراواں دستار فضیلت اخذ نمود"

---

[۱] سلسلۂ نظامیہ [۲] اخبار الاولیا [۳] تذکرۃ الفضلا

روضۃ العلماء میں لکھا ہے:۔

"از فحول علماء ہندوستان است، در اصول فقہ امتیازے داشت کہ دیگراں را حاصل نہ بود، چند سال در سفر و سیاحت بسر بردہ بہ بلند آہنگی کوس شہرت می نواخت"[1]

تاریخ العلماء میں لکھا ہے:۔

"از منطق و فلسفہ رسوخ کامل و در علم کلام و الہیات فاضل اجل بود"

تحفۃ الناظرین میں لکھا ہے:۔

"در فنون عقلی و نقلی سرآمد افاضل بود، برائے طلب علم سیر و سیاحت اختیار نمود، و قلم در میدان تصنیف جولاں کرد"

سفر سے واپس آکر سجادۂ درس و تدریس آراستہ کیا، دور دور سے طالب علم آنے لگے، اور چند مہینوں میں مدرسہ کی وسعت کا یہ عالم ہوگیا کہ بہ یک وقت تین تین سو طلبہ زیر درس و تعلیم رہتے، ان ہی طالب علموں میں ہم کو اکثر علماء بھی دو زانو بیٹھے نظر آتے ہیں۔

تذکرۃ الفضلاء میں لکھا ہے:۔

"کار علم بجائے رسید کہ اکثر استاذان کامل در حلقۂ درس او بہ زانوئے ادب نشستہ بہ شاگردی افتخار نمودند"

تصنیف و تالیف میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ زمانہ طالب علمی کی مصنفات میں فتاویٰ حدیثیہ الموضوعات (عضدی، تلویح، دوانی، حکمت العین، مصباح، امثال، مواقف، نسفی، فتوحات) کی شرحیں اور حاشیے ہیں[1]۔ عہد وسط الکمال کے آثار میں محاکمہ، مبسوط، دلائل النبوت، کتاب الروح، الاعتبار، مناقب النعمان، محکمات کی فہرست سامنے آتی ہے، لیکن عہد آخر میں یہ سب کچھ چھوڑ کر، بلکہ اکثر چیزیں تلف کر کے صرف تفسیر القرآن باقی رہ جاتی ہے جو آٹھ ہزار صفحوں میں تصوف کی دائرۃ المعارف تھی۔

لیکن والد ان مشاغل سے خوش نہ تھے، انہوں نے کہا، یہ کام وارفتگان محبت کے شایان شان نہیں، وہ اور کاموں سے زیادہ تزکیۂ نفس کی طرف توجہ کرتے ہیں، اور ان کے ہاں سب سے پہلے کتاب دل لکھی جاتی ہے مگر آپ کی نظر "ان تکون فی الظاہر مع الخلق و فی الباطن مع الحق" پر تھی، بولے:۔ ہر عاشق قیس و فرہاد نہیں ہوتا، خود پڑھ لکھ کر فارغ ہوگئے تو کیا ہوا؟ چشمہ وہی بہتر ہے جس سے دوسرے بھی سیراب ہو سکیں۔ اور بدستور اپنے کاموں میں مشغول رہے[4]۔

---

[1] تذکرۃ الفضلاء [2] روضۃ العلماء [3] تحفۃ الناظرین [4] تذکرۃ الفضلاء

اسی زمانہ میں حاکم گجرات نے ملنا چاہا، مدرسہ کے لیے حکومت کی طرف سے ایک ہزار تنکۂ سرخ کا سالانہ وظیفہ، اور عہدۂ قضا پیش کیا گیا، لیکن آپ نے تینوں باتوں سے صاف انکار کر دیا۔ فرمایا علم سوداگری نہیں ہے کہ میں اسکی تجارت کروں، اور اس کے ذریعہ سے اپنا پیٹ پالوں، میرے لیے فقر وفاقہ کی زندگی، قاضی القضاۃ کے حاکمانہ اقتدار واحتشام سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسے میں کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔ علم بے نیازی سکھاتا ہے غیر اللہ کے آگے نیاز مندی اہل علم کا شیوہ نہیں ہے۔ مجھ سے اپنے دربار میں آنے جانے کی توقع نہ رکھو، اخبار الاولیا میں لکھا ہے:۔

"از ارباب دول آمیزش نمی کرد، صوبہ دار گجرات بہ استماع اوصاف قدسیہ خواہش ملاقات نمود، شیخ ابا کرد، وقدم از گوشۂ عزلت بیروں نہ گزاشت"

والد نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئے، خط لکھ کر بلایا، آپ اسی وقت گئے، وہ گلے سے لگا کر بولے:۔ جانِ پدر! میں تمہارے موجودہ مشاغل سے مایوس ہوگیا تھا۔ یہ توقع نہ تھی کہ تم ایسے استغنا کامل کا ثبوت دلیکوگے نعم دنیا کے مقابلہ میں بڑے بڑے شہسواران فقر کے قدم متزلزل ہوگئے ہیں۔ ان کے سامنے تمہاری کیا حقیقت تھی کہ از سرتاپا دنیادار تھے، لیکن تمہاری اس ہمت مردانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر کوئی چیز ہے، اس سے میری خاک بسر امیدیں جی اٹھی ہیں، یقین ہے کہ آج نہیں تو کل تمہاری حالت میں نمایاں تبدیلی ہو" آپ نے کہا:۔ یہ تو صرف قلمدان قضا اور ایکہزار تنکہ سرخ کا معاملہ تھا، میں تو آزادی اور بے غرضی کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی شہنشاہی کو بھی ٹھکرادوں یہ وظیفہ خواری کیا ہے؟ ذلت کا ایک طوق ہے، محکومیت کی ایک زنجیر ہے، غلامی کا ایک بندھن ہے، کون عقلمند ہے جو ان زنجیروں اور بندھنوں میں اپنے ہاتھ پانوں باندھے۔ دوسروں کی نظروں میں گو ان باتوں کی کوئی عزت دوقعت ہو، لیکن میری نظروں میں اسکی وقعت نہیں، میں قاضی القضاۃ ہونے سے مزدوری کرنا بہتر سمجھتا ہوں، غلامی کرکے لذیذ غذائیں کھانے، اور چاکر بنکر اچھے اچھے کپڑے پہننے میں میرے لیے کوئی مسرت نہیں، بلکہ میرے لیے مسرت اسمیں ہے کہ محنت مزدوری کرکے دو وقت کے بجائے ایک ہی وقت جو کی خشک روٹی کھاؤں، پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑے پہن لوں، اور اپنے خالق کی یاد، اس کے دین حنیف کی خدمت، اور اسکے رسول برحق کے اتباع میں سرشار رہوں خدا نے چاہا تو ہمیشہ میری یہی حالت رہیگی۔ میری استقامت پر نہ تو خوف کو غلبہ ہوگا نہ طمع کو"

والد نے پیشانی چوم کر کہا:۔ جانِ عزیز! خدا تمہاری عمر دراز کرے، اور تمہیں اپنی محبت سے آگاہ کرے۔ لیکن اب تمہیں طریق سلف اختیار کرنا چاہیئے۔ گو تم اب بھی اس سے منحرف نہیں ہو، اکثر باتیں تم میں موجود ہیں، مگر تکمیل کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے، کچھ اور بھی ہونا چاہیئے" عرض کیا:۔ "خادم حاضر ہے جو حکم ہو تعمیل کرے" انہوں نے

اسلام اور ایمان پر ایک مختصر سی تقریر کی، اور دو رکعت نماز پڑھا کر چند باتیں تلقین کر کے داخل طریقت کیا۔ اس کے بعد حقیقت کی، اور حقیقت کے بعد معرفت کی بیعت لی، اور خلافت کا تاج سر پر رکھ کر اختیار دیدیا کہ اب جو چاہے کریں۔[1]

یوں تو آپ کی زندگی ابتدا سے فقیرانہ تھی، اور فطرتاً بہت حلیم، بردبار، نیک خو، صابر و شاکر، آزادہ رو اور نفس کش تھے۔ لیکن اس زندگی میں آتے ہی فطرت میں جو عشق حق کی آگ چھپی تھی بھڑک اٹھی، اور ایک سال کی مدت میں تمام مقامات طے کر کے فارغ ہو گئے۔ علم و طریقت کے بازاروں میں سکہ چلنے لگا، جسکو چاہتے ایک نظر میں اپنا بنا لیتے پہلے تو یہ تھا کہ جو طالب علم جو مقصد لیکر آتا، اسمیں کامیاب ہو کر جاتا تھا، لیکن ایسا یہ ہو گیا کہ وہ اپنا مقصد تو بھول جاتا، اور استاد کا مقصد یاد کر لیتا، سبق نہ پڑھے تک تو دونوں جہان کی عافیتوں کے خواب نظر آتے تھے، مگر جہاں سبق پڑھا، ساری امیدیں تاراج ہو کر فقر و درویشی عزیز و محبوب ہو گئی۔

درخرمن صدزاہد و عاقل زند آتش   آں داغ کہ مابر دل دیوانہ نہادیم

اللہ اللہ! عشاق حق کی دلربائیوں کے کاروبار بھی کیسے عجیب و غریب ہیں۔ لوگ تو آتے ہیں اسلیئے کہ مبسوط و محکمات کے مصنف سے بڑھ کر فرعونیت کا تاج پہنیں گے۔ لیکن استاد کے طور و طریق سے ایسے گھائل ہوتے ہیں کہ کسی بات کا ہوش بھی نہیں رہتا۔

ایک شخص بیعت کے لیئے آیا، پوچھا تحصیل علم کسقدر ہے؟ بولا جاہل ہوں، نام بھی نہیں لکھ سکتا۔ فرمایا: بیعت سے کیا مقصد ہے؟ بولا یہی پیری مریدی اور دیہات میں پھر پھرا کر اہل و عیال کی شکم پروری کا سامان کرنا، فرمایا:- یہ کام میرے ہاں نہیں ہوتا، بہتر ہو اگر تم کچھ پڑھ لو، اور اس خبط کو چھوڑ دو۔ بولا:- میں صرف بیعت کے لیئے آیا ہوں پڑھنے لکھنے کے لیئے نہیں آیا، فرمایا:- جاؤ میرے پاس تمہارے درد کی دوا نہیں" وہ چلا گیا۔ آپ نے استغفار پڑھی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:- زمانہ کا انقلاب دیکھو، کیا سے کیا ہو گیا، پہلے بیعت کا منشا، حصول یقین اور خالق ذوالجلال والاکرام کے حریم خانہ تک رسائی تھا، لیکن اب وہ نفس و خواہش کی پرستشوں کا ذریعہ، کذب و افترا کا آلہ، خدع و فریب کا خرقہ، اور شاہانہ انداز میں پیٹ پالنے کا کاسہ گدائی ہے۔ افسوس کہ بشارتوں کا زمانہ گزر گیا، اور اب ہم سیہ بختوں کے لیئے سوائے نذرانوں کے کچھ باقی نہیں۔

تاہم یہ زمانہ بہتر ہے۔ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے، جب حالت اس سے بھی بدتر ہوگی۔ اور امت کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائیگی جو اپنے تئیں مذہب کا سچا پرستار بتلائیں گے، جن کے اعمال بظاہر بہت پسندیدہ ہوں گے، جو سلف صالحین سے بے انتہا عقیدت و محبت ظاہر کرتے ہوں گے۔ اور انکی ہر بات ایسی بنائیں گے

---

[1] سلسلۂ نظامیہ، اخبار الاولیاء، سیر الصالحین۔

کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس پیکر میں معین و نظام کی روح ہے، لیکن حقیقتہً وہ مذہب سے بیگانہ ہوں گے، اور ان کی باتیں خلاف شرع ہونگی - وہ اوامر کتاب و سنت سے اعراض کرینگے، وہ خود گمراہ ہوں گے، اور لوگوں کو گمراہی پر چلائینگے، قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی مرکزیت مجانین و مجاذیب اور ان لوگوں کے اقوال افعال کو دیدی جائیگی جن سے کسی وجہ سے کچھ اعتقاد رکھتے ہوں گے۔ سلوک اس روحانی تعلق کو بڑھانے کا ذریعہ نہیں رہے گا، جو بندہ کو خدا سے ہے، بلکہ سلوک رندی و ہوسناکی بے قیدی و نفس پرستی کا ذریعہ بن جائیگا۔ دنیا کو دہوکہ دینے، اپنے کام و دہن کا سلوک کرنے اپنے گنبد کی تعمیر کرنے، اپنے عزوجاہ پیدا کرنے، اور اپنی ہر قسم کی خواہشوں کو پورا کرنے کا بہترین آلہ ہوگا۔ کفر و اسلام کا امتیاز مٹ جائیگا، خانقاہوں میں شریعت پامال کی جائیگی، اللہ اور اسکے رسول کے احکام شیطانی پیروؤں سے روندے جائیں گے، مزاروں پر عرسوں کے میلے لگیں گے، پیر کا درجہ رسول سے بھی بڑھا دیا جائیگا۔ قبروں کا طواف، ان پر مکان بنا بنا کے رہنا، پھولوں کی چادریں چڑہانا، صبح و شام بغرض سلام حاضری دینا، جب کوئی مصیبت آئے ان سے استعانت کرنا، منتیں ماننا، آستانوں پر سر جھکانا، زمین پر پیشانیاں رکھنا، اور اپنے اپنے شیوخ کے آگے سربسجود ہونا فرض سمجھا جائیگا۔ غرض ہر طرف مذہبی طوائف الملوکی پھیلی ہوگی۔ نہ کوئی ایک مسلک ہوگا نہ طریقہ، ہزار مسلک ہوں گے، لاکھوں طریقہ ہوں گے، اور سب ایک دوسرے سے اپنے ہر عمل و اعتقاد میں جدا، یہ وہ وقت ہوگا جب مسلمانوں کے لیئے زمین کے باہر سے اس کا اندر بہتر ہوگا۔ لبطن الارض خیر لکم من ظہرہا۔[۱]

سو دیکھ لو کہ ٹھیک وہی ہوا، مشائخ طریقت وہی جالیں چلے، اور متصوفین بدعت پسند نے اپنے غیر منصوص اعمال و معتقدات سے طریقت کو تاراج و برباد کردیا۔ نفس پرستانہ مذہبیت کا بازار چمک اٹھا، جس نے چاہا فقیرانہ لباس پہنا اور کھل کھیلا۔ اور وہ جو ایک حدیث ہے کہ آخر زمانہ میں بھیڑیے انسانوں کا بھیس بدل لینگے، تو ہم نے دیکھ لیا کہ ہمارے گرد و پیش ایسے ہی انسان پیدا ہوگئے، جنکی صورتیں تو انسانوں کی سی ہیں مگر ان کے کام اور ان کے طریقے حق اور سچائی کے لیئے ایسے ہیں جیسے بکریوں کے لیئے بھیڑیئے۔ ان کے دلوں میں ایک شمہ عشق کا نہیں، ذرہ برابر رسول کی محبت نہیں، اسرمودار فتگان حق کا سا سوز و گداز نہیں، وہ از سرتاپا عشق باطل میں ڈوبے ہوئے ہیں، لذتوں اور عیشوں کی محبت ان پر چھاگئی ہے، وہ عزت اور دولت کے سائل بن گئے ہیں، اور ظاہر

---

[۱] یہ تقریر بہت طویل اور بالکل ان احادیث پر مبنی تھی جو آخر زمانہ کے متعلق مروی ہیں، میں نے صرف ان کا مفہوم ادا کردیا ہے کہ ان کا لکھنا خالی از طوالت نہ تھا۔

و باطن کا کوئی فساد ایسا نہیں ہو، جس سے مقدس خانقاہیں اور قابل احترام عبادت خانے محفوظ رہے ہوں،

یارب ز سیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد بت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اخبار الاولیا میں لکھا ہو کہ پیراں پٹن کی بہت مختصر آبادی تھی، لیکن آپ اسکے بھی ایک دور دست گوشہ میں رہتے تھے، کچھ زمین لیکر اپنے ہاتھ سے ایک چھوٹا سا سفال پوشش مکان بنالیا تھا، اس کے ایکطرف بڑا سا چبوترہ تھا۔ جو اجتہاد کا مرکز، اور تعلیم و تلقین اور ارشاد و ہدایت کا سجادہ تھا۔ دوسری طرف چند زمینیں تھیں جو خود محنت کرکے خریدی تھیں، اور نادار طالب علموں کے لیے جب تک وہ پڑہیں وقف کردی تھیں۔

محنت و ریاضت کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے تمام کام خود کرتے تھے۔ صبح شام مسجد میں جھاڑو دینا، پانچوں وقت نمازیوں کے لیے پانی بھرنا، سبیل کے مٹکوں کو کسی وقت خالی نہ ہونے دینا یہ روز کا معمول تھا، شاگرد دردیہ ہاتھ بٹانا چاہتے تو فرماتے تمہارے لیے اور بہت سے کام ہیں۔ یہ کام میں نے اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے، روٹی سالن جو کچھ پکانا ہوتا خود پکاتے، کپڑے دھونے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں پیوند لگانے کی تکلیف بھی کسی کو نہ دیتے، محلہ کی بیوہ عورتوں کا سودا خریدلانے کے لیے ہر وقت طیار رہتے، پڑوس میں جو بیمار ہوتا، روز اسکی عیادت اور تیمار داری کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے ؎۱

ایثار و قربانی کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن مسلسل اسطرح گزر جاتے کہ ایک کھیل کا دانہ بھی منہ میں نہ جاتا، اور دن بھر جو محنت مزدوری کرتے، اسکی اجرت معذوروں، اپاہج، مردوں، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو دیدیتے، بوڑہے آدمیوں کو سخت محنتیں کرتے دیکھتے تو بیقرار ہوجاتے، اور منت و سماجت سے ان کا کام بٹا لیتے ؎۱

باسبک روحان کن آمیزش کہ اندی جوں نراہ بارغم بردوش دل منزل بمنزل می برند

لباس بہت معمولی پہنتے تھے، اکثر تہ بند باندھتے، لیکن کبھی کبھی پاجامہ بھی پہن لیتے، موٹے کپڑے کا گھٹنوں کا کرتہ اور سر پر سفید یا سبز رنگ کا عمامہ ہوتا تھا، کھانے میں زیادہ تر ابلا ہوا بے نمک کا ساگ اور جو کی روٹی ہوتی تھی، بیٹھنے کے لیے کبھی سجادہ اور مسند نہیں بچھائی، چٹائی کا معمولی فرش تھا، اسپر دن کو بیٹھتے اور رات کو سورہتے تھے، جاڑے میں صرف ایک کمبل ہوتا تھا، اور اس کا بھی یہ حال تھا کہ میسر آگیا تو اوڑھ لیا، ورنہ رات کی سردی گاڑھے کی ایک ہی چادر میں گزار دی ؎۲

حاجت مندوں کی اعانت کے لیے ہر وقت اسطرح طیار رہتے کہ گویا اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں؛ خود اپنے پاس جو کچھ ہوتا دیدیتے، ان کے لیے محنت مزدوری کرتے، اور اپنی ضمانت پر قرض دلادیتے تھے، ایک دفعہ

؎۱ تذکرۃ الطالبین، سیر الصلحاء۔ ؎۲ اخبار الاولیاء

کا واقعہ ہے کہ ایک ضمانت میں چھ مہینہ تک ایک ہندو مہاجن کی خدمت کی۔ بعض مریدوں کو یہ بات شاق گزری انہوں نے روپیہ ادا کرنا چاہا، فرمایا، معاہدہ میں یہ نہیں ہے، ضامن میں ہوں تم نہیں ہو؎

خان اعظم کو آپ سے بہت عقیدت تھی، اس نے مجبور کیا کہ کچھ قبول کر لیں، بولے:۔ یہ کس کو دے رہے ہو، کیا تم نادار سمجھتے ہو، دیکھو! یہ زمین، یہ در و دیوار، یہ جنگل، اور وہ دور کی پہاڑیاں سب لعل و گہر، سیم و زر کی ہیں لیکن میرا دل ان سب سے سیر ہے، میری نظروں میں ان کی کوئی وقعت نہیں، پھر تم مجھ سے کیوں توقع رکھتے ہو، کہ یہ چند تھیلیاں لے لوں، جاؤ، میرے آگے سے ان چیزوں کو ہٹا دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں، میرے محبوب نے مجھے ان سب سے بے نیاز کر دیا ہے،

دیوانۂ او ہر دو جہاں را چہ کند

تذکرۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی جاگیردار نے دعوت دی، اور بہت اصرار کیا کہ آپ دعوت قبول فرمالیں لیکن آپ اپنی آن کے پورے تھے، کسی اثر سے متاثر نہ ہوئے بولے:۔ میرا تمہارا میل صرف ظاہری ہے، قلبی و روحانی نہیں اپنا ہم پیالہ و نوالہ کسی ایسے کو بناؤ جو تمہارا ہمسر و ہم رنگ ہو، میں تمہارے میل کا نہیں، تمہارا ہمسر نہیں، بلکہ میرے تمہارے درمیان بعد المشرقین ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری دعوت قبول کر لوں، یہ باتیں تمہارے مناسب حال نہیں ہیں، میرے ایک وقت کھانا کھا لینے سے تمہیں کیا فائدہ پہونچ جائیگا۔ تمہارے لیے میرے قریب رہنے سے دور رہنا ہی بہتر ہے؎

اے ہم نفساں آتشم از من بگریزید ہر کس کہ شود ہمرہ ما دشمنِ خویش است

اس گفتگو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اپنا سارا مال و متاع لٹا دیا، اور فقیرانہ شان سے رہنے لگے۔

شیخ محمد عالم ایک نہایت فقیر دوست رئیس تھے، انہوں نے چند گاؤں نذر گزراننے چاہے، فرمایا:۔ دشمنی سے کیا فائدہ؟ دل کی بستی کو اجاڑ لوں، تو تمہاری طرف ہاتھ بڑھاؤں، کیا تم یہی چاہتے ہو؎۲

امر بالمعروف کا حد سے زیادہ خیال تھا، مریدوں اور عقیدت مندوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو پابند شرع نہ ہو۔ اور اصول میں جس کسی کو ذرا بھی منحرف پاتے فوراً ٹوک دیتے۔ اور بہت سختی سے محاسبہ کرتے؎۳

آپ کی مجلسیں مساوات اسلامی کا پورا نمونہ ہوتی تھیں، امیر و غریب میں کوئی فرق نہ تھا، خواہ کوئی کہیں کا عامل ہو یا فقیر فاقہ مست آپ اس سے بالکل ایک ہی طریقہ سے پیش آتے، استقبال و پذیرائی کے لیے کھڑا ہونا، گفتگو میں القاب و آداب کا استعمال کرنا آپ کی عادت نہ تھی جو کوئی ایسا کرتا اسے منع کر دیتے۔ قریب قریب ہر جمعہ کو امراء اور رؤساء

؎۱ اخبار الاولیاء ؎۲ سلسلۂ نظامیہ ؎۳ تذکرۃ الفضلاء

عمال اور جاگیر دار آتے تھے، لیکن سب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو اسطرح بیٹھتے کہ نہ کوئی بندہ رہتا نہ بندہ نواز۔[1] ارکان حکومت کی آمد و رفت کی وجہ سے دنیاوی علماء بھی آجایا کرتے تھے، مگر ان کو یہ بات بہت ناگوار ہوتی تھی، کہ آپ ان کی عزت نہیں کرتے، اور جسطرح عوام سے ملتے ہیں، اسی طرح ان سے بھی ملتے ہیں۔ حالانکہ وہ عالم ہیں اور عالم تخت نبوت و رسالت کے وارث ہیں، ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے کہا، یہ جو اللہ نے کہا ہے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ہمارے مخترعات کو اور محترمات کے پھیلانے والوں کو محترم رکھیں تو اس کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا:- بیشک یہ صحیح ہے، اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس کے محترمات کی عزت کرنی چاہیئے، لیکن معیار فضیلت مجرد علم یا دولت و وجاہت نہیں ہے بلکہ حسن عمل اور تقویٰ ہے، اللہ کے محترم وہ لوگ نہیں کہے جاسکتے جو دنیا کی کوئی خاص عزت و وقعت رکھتے ہیں، جو اس کا نام لیکر دنیا کو لوٹتے ہیں، بلکہ اللہ کے محترم وہ لوگ ہیں جو اسکی راہ میں جانیں قربان کرتے ہیں، جو اس کے سچے عاشق ہیں، اور اس کے سوا کسی کے طالب نہیں، جنہوں نے دونوں جہان کو اسکی تمنا میں ٹھکرا دیا ہے، جو لوگ پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے، ان کے لیئے نہ فضیلت ہے نہ احترام اسلام کے سامنے صرف ایک چیز ہے جس سے وہ ایک دوسرے کو ممتاز کرتا ہے، اور وہ اللہ کی زبان میں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ہے۔ جسمیں تقویٰ نہ ہو، اس کے لیئے اسلام سے کوئی فضیلت نہیں دی۔ خواہ وہ منصور و سفاح ہو یا قفال و بزاز۔ مالیس لاحد علیٰ احد فضل الا بدین و تقوی۔[2] اسلام کی یہی ایک واضح ترین خصوصیت ہے کہ اس نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اور معیار فضیلت تقویٰ قرار دیکر غریب امیر سب کو برابر کر دیا، کہ مایہ خمیر سب ایک ہے اور سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، پھر فرق و امتیاز کیسا! اور الناس کلہم بنو آدم، و آدم من تراب۔[3]

اس زمانہ میں فرقہ مہدویہ کا بڑا زور تھا، اور ان لوگوں نے اپنے نئے نئے مذہبی جوش میں اس سرے سے اُس سرے تک اک طوفان بپا کر دیا تھا، شیخ نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لیئے اپنا سینہ آگے کر دیا، اور مسلمانوں کو ایک بڑی گمراہی سے بچا لیا، مہدوی اس سے آتش بد اماں ہو گئے، اور اپنے عقیدہ کی اشاعت کے لیئے قتل و خوں ریزی کرنے لگے، آپ نے تلوار کا جواب تلوار سے دینا مناسب نہیں سمجھا، کہ اس سے مسلمانوں ہی کا خون ہوتا، اور کوشش کی کہ معاملہ ویسے ہی رفع دفع ہو جائے، چنانچہ سب سے پہلے خان خاناں کو توجہ دلائی وہ اس زمانہ میں گجرات کے صوبہ دار تھے) مگر انہوں نے بے اعتنائی کی، اور کسی پیغام کا جواب نہیں دیا، تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مہدویوں کے حامی ہیں اور یہ لوگ ان ہی کی حمایت کے بھروسہ پر اسقدر شیر ہو گئے ہیں۔ اسطرف سے مایوس ہو کر ایک

سرگرم نقیب دار السلطنت کو بھیجا تاکہ وہ اکبر کو ان واقعات کی تفصیلی رپورٹ سنائے، لیکن وہ راستہ میں گرفتار کرکے مار دیا گیا، اس کے بعد ایک روز نقیب (شیخ محمد طاہر) روانہ کیا، لیکن آزاد کا بیان ہے کہ وہ بھی منزل تک نہ پہونچ سکا، اور قتل کردیا گیا۔ آخر کار مجبور ہو کر آپ نے بھی تلوار نکالی اور خان خاناں کو کہلا بھیجا کہ "تم نے اب تک اس معاملہ میں حد سے زیادہ بے انصافی، اور مہدویوں کی ناجائز حمایت کی ہے، حالانکہ یہ بات تمہارے منصب کے بالکل خلاف تھی، میں نے کئی بار تم کو اس طرف توجہ دلائی، اور معاملات کو بغیر خونریزی کے سلجھانے کی کوشش کی، لیکن تم نے اس سے اغماض کیا، معاملہ نے طول کھینچا، مہدویوں کے ظلم حد سے بڑھ گئے، اب تمہارے تلوار کا فیصلہ ہوگا خان خاناں کے پاس یہ پیغام پہونچا تو اس نے اس فتنہ کو رفع کرنے کی سہل ترکیب یہ سوچی کہ شیخ کو گرفتار کر لیا جائے، اور ان کے مریدوں میں جو شخص اٹھے اُسے قتل کر دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا، آپ گرفتار کرکے قلعہ میں لائے گئے اور ایک غیر معین مدت کے لئے قید میں ڈال دیئے گئے۔ یہاں دشمنوں نے دل کھول کر تکلیفیں دیں، خانخاناں کی عنایت سے پہرہ والے سب مہدوی تھے، انہوں نے جو چاہا کیا، کوئی پوچھنے والا نہ تھا، وہ پانوں میں بیس بیس سیر وزنی زنجیریں ڈال کر کوسوں پیدل چلاتے، کئی کئی آدمی ملکر اپنی پوری قوت سے کوڑے مارتے یہاں تک کہ جسم سے خون بہنے لگتا، اور آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑتے۔ کبھی جلتی جلتی ریت، اور گرم گرم پتھروں پر بٹھاتے آگ میں سرخ کرکے لوہے کی سلاخوں سے داغ دیتے، جاڑے کے زمانہ میں رات رات بھر صحن میں برہنہ کرکے بٹھا دیتے، اپنا سب کا پاخانہ صاف کراتے، اور ستہ پر کٹی ہوئی مرچوں کا توبڑا چڑھا دیتے، بندی خانہ کی یہ کیفیت تھی کہ زمین پر ببول اور ناگ پھنی کے کانٹے بچھے ہوئے تھے، کبھی کبھی پہرہ والے یہ کھیل کرتے کہ سانپ، بچھو بھی چھوڑ دیتے، اور دو دو تین تین ہفتہ تک دروازہ نہ کھولتے، اس پر طرفہ یہ تھا کہ آب و دانہ بھی بند کر دیتے تھے، تاہم جب کبھی کہا جاتا کہ اپنی ہٹ سے باز آجاؤ۔ اور اگر سید محمد کی مہدویت پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم ان کے طریقہ کی مخالفت ہی نہ کرو۔ تو کہتے:۔ جو کچھ کہہ چکا ہوں وہی کہونگا، تم سمجھتے ہو کہ ان تکلیفوں سے ڈر کر حق بات سے پھر جاؤنگا یہ ناممکن ہے۔ اس خیال خام کو اپنے دل سے نکال دو، میں موت سے نہیں ڈرتا، تو ان تکلیفوں سے کیا ڈرونگا، جسم و خون کی زندگی محض چند روزہ ہے، اور اسکی سعادت یہی ہے کہ اسے راہ حق میں قربان کردیا جاوے، پھر تمہارے پاس کیا ہے، جسے تم میرے سامنے پیش کر سکتے ہو، یہ باتیں تو ان کے سامنے جاکر کہو جو زندگی کو عزیز رکھتے ہیں، اور عیش و آرام پر جان دیتے ہوں۔ میں ہر تکلیف کو برداشت کرنے کے لیئے طیار ہوں، اور تمام ایسی مصیبتیں جس سے تمہارے رونگٹے بھی کھڑے ہو جائیں۔ خوشی خوشی سہنے کو طیار ہوں، مگر جھوٹ کو سچ کہنے کیلئے طیار نہیں

چاہے تم کڑکڑاتے تیل میں ڈالو، یا سولی کے تختہ پر کھڑا کرو۔"

آخر دشمن بھی تھک گئے، صداقت اپنا رنگ لائی اور خدا نے ظالموں ہی کے ہاتھ سے رہائی دلائی، کہتے ہیں کہ شیخ کے صبر و تحمل، اور عزم و استقلال سے جلادوں کے دل بھی نرم پڑ گئے تھے اور ان سب نے زمانۂ قیدی میں معافیاں مانگ مانگ کر بیعت کرلی تھی، بیرم نے جب سنا کہ شیخ کے اصلی دشمن ان کے دوست ہوگئے ہیں، اور جو لوگ ان پر ظلم کرتے تھے، اب ان کے آگے سر جھکاتے ہیں، تو وہ بھی شیخ کی حقانیت کا قائل ہوگیا، اور حکم سزا منسوخ کرکے اپنے قصور کی معافی چاہی ۔ ؎

اس رہائی کے بعد ایک دفعہ اور گرفتار ہوئے، یہ گرفتاری پہلی گرفتاری سے زیادہ اہم تھی اور خاص فرمان شاہی سے عمل میں آئی تھی، اس کے لیے ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

جن لوگوں نے ہندوستان کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اکبر کا عہد حکومت اس بارے میں سب سے زیادہ تاریک تھا، اس تاریکی کی ایک بڑی وجہ اسکی جہالت تھی، اس کا ابتدائی زمانہ تو پٹھانوں کی حکومت کے پیدا کردہ فتنوں کی چہل پہل میں گزرا، لیکن جب خاندان مبارک کو درخور ملا تو اس نے پچھلے فتنوں کو دفن کرکے، نئے فتنوں کا طوفان اٹھا دیا، اصلاح و عقلیت اور طریق حکیمانہ کے نام سے مذہب کے تار و پود بکھیر دیئے اور اس دبا کو بزور و قوت پھیلانے کیلئے ایک محضر مرتب کیا، جس کا مقصد سلطان وقت کی تخفیت و امامت کا اعلان تھا، اکبر نے اس تجویز کو بہت پسند کیا، اور محضر کی نقلیں تمام صوبوں میں بھیجدی گئیں کہ علما و مشائخ سے دستخط لیے جائیں۔ بدایونی نے لکھا ہے:-

"دریں ایام محضرے بخط و مہر مخدوم الملک قاضی عبدالنبی صدر الصدور، و قاضی جلال الدین ملتانی، و صدر جہاں مفتی کل، و شیخ مبارک کہ اعلم علمائے زماں بود، و غازی خاں بدخشی کہ در علم معقول بے نظیر بود، در باب تفضیل امام عادل مطلقاً بہ مجتہد و تجویز در روایت مرجوحہ را در مسئلہ مختلف فیہا درست کردند، سخن دراں با عتاب کشید، بالآخر بعضے بطوع و بعضے بکرہ بر آں محضر مہر ہا کردند"

؎ یہ واقعات تذکروں میں اسقدر مختلف ہیں کہ باہم ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق سمجھ نہیں معلوم ہوتا، لیکن میں نے ان سب کے سواد ترکیبی کو یکجا کرنے کے بعد جو واقعات متفق علیہ تھے صرف ان ہی کو لیا ہے۔ ماخذ یہ ہیں: سیر العلما، تذکرۃ الطالبین، اخبار الاولیا، سلسلۂ نظامیہ، روضۃ العلما۔

لیکن ان دستخط کرنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو دنیا پرستی میں خوار و ذلیل ہو چکے تھے، اور جن کے لیئے سوائے اسکے چارہ نہ تھا، کہ چپکے سے دستخط کر دیں، ورنہ قید و بند کی مصیبت سامنے تھی، جس کے لیئے ان میں سے کوئی بھی طیار نہ تھا۔ یا پھر ان لوگوں نے دستخط کیئے جن کے عزم و ہمت کی درماندگی نے قید کے بعد دستخط کر کے رہائی حاصل کی۔ مگر علماء حق سے کسی نے اسپر دستخط نہیں کیئے، وہ جسطرح پہلے ساعی تھے، اسی طرح اب بھی ساعی رہے پٹھانوں کے عہد میں فتنہ فقاہت غیر صالح سے مقابلہ تھا اور اس کے بعد بھی اسی کی سرکوبی کرتے رہے، اب تحقیق جدیدہ کے مدعیان عقل فروش سے معرکہ آرا ہوئے، اور آخر دم تک میدان میں ڈٹے رہے، ان لوگوں میں شیخ الاسلام حضرت جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ سب میں پیش پیش اور سب سے زیادہ سرگرم تھے،

اکبر کو جب شیخ کی جد و جہد کا علم ہوا اور اس کے پاس تفصیلی رپورٹیں پہنچنی شروع ہوئیں تو وہ بہت بگڑا، اور حاکم گجرات کو فرمان بھیجا کہ شیخ سے اس مسئلہ میں سرکاری حیثیت سے گفتگو کی جائے، اور ان سے زبردستی دستخط لیئے جائیں۔ حاکم گجرات نے آپ کو یہ حکم سنا کر کہا کہ دستخط کر دیجیئے، فتنہ انگیزی سے کیا فائدہ؟ ورنہ پھر قید کی مصیبتیں جھیلنی پڑینگی۔ آپ نے کہا:۔ خواہ کچھ ہی ہو میں دستخط نہیں کرونگا۔ میں اکبر کو امامت کے ناقابل پاتا ہوں، اور جو اسکے حوالی موالی ہیں ان میں سے بھی کسی کو ایسا نہیں دیکھتا۔ ایسی صورت میں ناممکن ہو کہ اکبر کی امامت تسلیم کی جائے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم جنگل کے وحشی جانوروں سے آشتی کریں، اور یہ بھی ہوسکتا ہو کہ سانپوں اور بچھوؤں کو اپنا دوست بنالیں، لیکن یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ ایک لمحہ اور ایک لمحہ کے دسویں حصہ کے لیئے بھی ہم اکبر کی امامت کا اعتراف کریں، وہ مجھ سے زبردستی دستخط لینے چاہتا ہے، زبردستی کر دیکھے، مگر اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا عقد اس سے زیادہ زبردست ہو، دیکھو نگا دستخط نہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہوں یا وہ، رہا یہ کہ دستخط نہ کرونگا۔ تو قید کر دیا جاؤنگا، اس کے لیئے میں پہلے بھی تیار تھا اور اب بھی طیار ہوں، اور جب تک زندگی باقی ہے ہر ایسی بات کے لیئے قید و بند اور قید و بند سے زیادہ دار و رسن کے لیئے بھی تیار رہوں۔

در مدرسہ ہرگز نہ رسد دعوی توحید   منزل گہ مردان موحد سر دار است

حاکم گجرات نے اس گفتگو کی رپورٹ بھیجی، حکم ہوا کہ شیخ کو پابزنجیر دارالسلطنت بھیجا جائے، رات کے وقت آپ گرفتار کیئے گئے اور اسیوقت چالیس سپاہیوں کی حراست میں اکبر آباد بھیجدیا گیا۔ اکبر بولا: تمہیں اس محضر پر مجبوراً دستخط کرنے ہونگے۔" آپ نے کہا:۔" دنیا کی کوئی قوت مجھے دستخط کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔" اس نے کہا "مگر میری قوت مجبور کرسکتی ہے۔" آپ نے فرمایا:۔ تمہاری قوت؟! تمہیں اپنی قوتوں پر بڑا گھمنڈ ہے، لیکن یہ قوتیں

کیا ہیں، پر کاہ بھی تو نہیں ہیں۔ اگر چاہوں تو تمہاری ساری کائنات کو ایک آن میں فنا کر سکتا ہوں۔ لیکن میرا تمہارا مقابلہ کیا، میں فانیوں سے ٹکرانا نہیں چاہتا، جو مرنے کے بعد دہکتی آگ میں ڈالے جانے والے ہوں، ان کو یہاں مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اکبر بولا:۔ بس خاموش یہ باتیں میں نہیں سننی چاہتا، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم اکبر اعظم کے سامنے کھڑے ہو، شیخ نے کہا:۔ ہاں! میں جانتا ہوں کہ تم اکبر اعظم ہو، مگر ان کے لیئے جو دنیا کے کتے ہیں، میرے لیئے نہیں ہو کہ میری نظروں میں اکبر اور اعظم صرف ایک ہی، اور تم سب ذلیل ترین انسان ہو، یہ سنکر اکبر کا غیض وغضب حد سے بڑھ گیا وہ کچھ کہنے والا تھا کہ ملا عبدالنبی بول اٹھے، اچھا یہ بتلاؤ کہ امامت کی تسلیم سے تمہیں کیوں انکار ہے؟

آپ نے کہا:۔ امام کے لیئے صالح و متقی، اور اہل علم و صاحب اجتہاد و تفقہ ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کی کفالت، اور حرمین شریفین کی خدمت وحفاظت اس کا ایک اہم فرض ہے، نیز امام کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ تمام مسلمان اسکی امامت پر متفق ہوں، اور انتخاب کھلے جلسے میں مشورہ سے عمل میں آیا ہو پھر کیا ان میں سے کوئی بات بھی اکبر، اور اسکی امامت میں موجود ہے۔ کیا تم میں سے ایک شخص بھی اس سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ ایک صاف اور بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اکبر جاہل اور فاسق وفاجر ہے، اور فاسق وفاجر اور جاہل کی امامت نہیں ہو سکتی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم یہ سب باتیں جانتے بوجھتے مذہب کو اسکی حوالگی میں دیدیں، یہ تمام کارروائی جو اب تک ہوئی ہے بالکل گمراہی کی کارروائی ہے، جن لوگوں نے اسپر اجماع کیا ہے وہ خاطی ہیں اور انہوں نے معصیت پر اجماع کیا ہے، اور ان کا اجماع نا قابل تسلیم ہے۔" شیخ یہ تقریر کرکے خاموش ہو گئے، اکبر نے پوچھا شرعاً ایسے شخص کی کیا سزا ہے؟

ملا صدر الصدور نے کہا:۔ جو شخص اولی الامر کا حکم نہ مانے، اسکی اطاعت سے انحراف کرے اور امامت قائم ہو چکنے کے بعد اس کا منکر ہو وہ بالاتفاق مستوجب قتل ہے۔" لیکن اکبر نے اس سے اتفاق نہ کیا کہ قتل میں ہنگامہ وشورش کا اندیشہ تھا، اور شیخ کے مرید گرفتاری ہی پر برہم ہو گئے تھے، اس نے حبس دوام کی تجویز کرکے احمد آباد واپس کر دیا۔

یہ قید اکبر کی موت کے ساتھ ختم ہوئی، جہانگیر علماء و فقراء کا عاشق تھا، اور ان کے لیئے آداب شاہی کو بھی بھول جاتا تھا، جب اس نے آپ کی قید کا حال سنا تو اسی وقت رہائی کا حکم دیا، مل کر دیر تک گفتگو کی، اور قلعہ کے دروازہ تک مشایعت کو آیا، دورہ پر جب کبھی گجرات آتا تھا، شیخ سے ضرور ملتا تھا، اس نے اپنے عہد حکومت میں گزشتہ مظالم کی تلافی کی بہت کوشش کی، کئی بار خلعت اور نذرانے پیش کیئے، مگر آپ نے حسب عادت لینے سے معذرت کی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی زندگی ان ہی مشکلوں کے ہجوم سے لبریز ہے، اٹھارہ برس کی عمر سے موت تک مختلف

قسم کی مصیبتوں میں مبتلا رہے، اور ہر مصیبت کو ہنسی خوشی برداشت کیا، لیکن عین عالم شباب میں جو مصیبتیں برداشت کیں، اور کئی برس تک برداشت کرتے رہے وہ ایسی تھیں کہ پہاڑوں پر بھی ڈالدی جاتیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

برسوں کے بعد چند دن سے آرام سے بیٹھے تھے، کہ پھر اسباب آزار پیدا ہوئے، علماء عبید الدنیا پہلے ہی سے جلتے تھے، لیکن اب اور بھی جلنے لگے کہ شیخ پہلے سے زیادہ ہر دلعزیز ہو گئے تھے، اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ شیخ کے قدموں کو بوسہ دینا اپنا فخر سمجھتے تھے، ان کے لیے سب سے زیادہ جو بات تکلیف دہ اور سوہان روح تھی وہ انکی کس مپرسی تھی، انہوں نے مختلف طریقوں سے جہانگیر کو آپ سے بدظن کر کے مبتلائے مصیبت کرنے کی کوشش کی، مگر وہ آنکھوں کا اندھا نہ تھا، یہ جو کمند ڈالتے ٹوٹ کر رہ جاتی، اسکی طرف سے مایوس ہو کر سازشیں شروع کیں، اور ایک ہندو فاحشہ عورت کو کچھ دے دلا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ برسر عام یہ کہدے کہ جمال الدین کے اس سے ناجائز تعلقات ہیں اسکی پوری پختگی کر کے معاملہ قاضی تک پہونچایا، شیخ پھر گرفتار ہوئے، اور مجرموں کی طرح عدالت میں لائے گئے۔ قاضی نے اس کا بیان لیا، بولی میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جمال الدین نے رات میرے ہاں بسر کی ہے اور وہ اکثر میرے ہاں آتے رہتے ہیں، لیکن جرح میں اصل حقیقت کھل گئی اور اسنے صاف صاف کہدیا کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی، مجھے تو فلاں فلاں لوگوں نے ایسا ہی کہنے کو کہا تھا، سازشی اب تک خوش تھے کہ وہ اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے اور کوئی دم میں جمال الدین کو سنگسار کر دیا جائیگا، لیکن حقیقت کھلتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے کہ اس سے زیادہ ذلت و ناکامی کبھی نہ ہوئی تھی۔ (باقی) ناظر دہلوی

جن حضرات کا چندہ ماہ دسمبر میں ختم ہوتا ہے اُن کو چاہیئے کہ اپنی خریداری یا عدم خریداری سے پیشتر سے مطلع فرمادیں تاکہ دفتر کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ امید ہے کہ خریدار صاحبان توجہ فرمائینگے۔

منیجر نگار

میری تخلیق!

دنیا، جب بالکل غافل اور بے خبر تھی، سارے عالم پر ایک سکون، ایسا سکون مستولی تھا کہ فضائے ہوا سوئی ہوئی معلوم ہوتی تھی، ٹھیک اسوقت میرے سینے میں ایک غیر معمولی جنبش ہوئی اور میری وہ آنکھیں جو بادہ شبینہ کی سرمستیوں میں ایک لمحہ بیشتر بالکل مخمور اور بند تھیں اب کھلی ہوئی تھیں اور میں بیدار تھا، مگر اس حال میں کہ میری قدرت مدرکہ میرے قابو سے باہر، قوت متخیلہ مجھ سے کوسوں دور اور نگاہیں کسی خاص جستجو میں آوارہ پھر رہی تھیں

مگر وہ جستجو کیا تھی؟

آج تیس برس تھا کہ مجھے "اسکی تخلیق" پر غور کرتے ہوئے گزرا، میری ہر فرصت اور فرصت کا ہر لمحہ ایک شدید انہماک میں ختم ہوگیا، مگر جس چیز سے کہ میرے دل کو تسلی ہوتی میرا دماغ وہ جواب آج تک مجھے نہ دیسکا اور یہی سبب تھا کہ میری روزانہ پابندیوں میں ایک عظیم الشان فرق آنے لگا۔ یہاں تک کہ دن کو جاگتے رہنے کے بعد بھی رات کی نیند یاد نہ رہی، میرا دل و دماغ، جسکی ساخت بہترین اصول پر کی گئی تھی، اب صرف "اسکی تخلیق" کے جستجو میں محو تھا، مذہب کے خشک اصول سے دیکھا، دنیا کی رنگا رنگ بزم آرائیوں میں ڈھونڈا، تہذیب قدیم کی بوسیدہ مسندوں پر نظر ڈالی، تمدن جدید کے ایوانوں میں تلاش کیا، غرض ان سے پوچھا، تم سے پوچھا، مگر "در دلا دو" کا جو دو ٹوک جواب تھا وہ ہر در سے اور ہمیشہ ملتا رہا، پھر یہ کیونکر ممکن تھا، کہ میری تلاش و جستجو جو اب بھی تشنہ و ناکام تھی میرے دل و دماغ کو صبح اور آنکھوں کو خواب آلود بنا دیتی، آنکھ کھلی تو کچھ دیر تک میں جاگا کیا، وسیع میدان تھا، میری نگاہیں آسمان کے بے ترتیب بکھرے ہوئے تاروں کو بالکل لاابالانہ انداز میں گن رہی تھیں کہ یکایک جو سما میں ایک تیز و تند روشنی دکھائی دی، نگاہیں خیرہ ہوگئیں، اور آنکھیں ایک مرتبہ پھر بند ہوکر رہ گئیں، آنکھ کا بند ہونا تھا کہ گھر کی وہ صورت بدل گئی، نہ وہ زمین تھی نہ اتنا اونچا آسمان، نہ بستیاں تھیں نہ وہ لق و دق میدان، دنیا کے ہنگامے، لوگوں کی کشاکش، دن کی گرم بازاری رات کے تاریک و خاموش مناظر، زمانے کا نشیب و فراز، پانیوں کا مدوجزر، خدا کی ساری مخلوق، یہ، وہ، غرض کچھ بھی نہ تھا۔

پھر تھا کیا؟

نور کا عالم، شعاعوں کا ہجوم، اک روشن دنیا اور اُن روشنیوں میں صرف میرا تنہا وجود،

وجود بھی کس حال میں؟

بالکل عریاں، صاف و سادہ، تکلفات سے بری، روشنیوں میں ملفوف، فطرت کے موافق، وقت کے مناسب اور لیس۔

شعاعیں مجھ سے لپٹی ہوئیں اور میں اُن سے بے تکلف، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود میں بھی اسی نور کا "ایک چھوٹا سا جزو" ہوں، ابھی اس دنیائے نور کو قائم ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ایک شدید جنبش ہوئی اور ان روشنیوں سے زیادہ تیز، ان شعاعوں سے کہیں زیادہ چمکدار ایک اور نور، شعاعوں کو چیرتا پھاڑتا، نظر آیا، میری بصارت میں ایک غیر معمولی قوت تھی، دیکھا تو "ایک بہترین تصویر فطرت" یعنی مرقع عالم کی ایک جادو، ازل کا سب سے پہلا راز، فردوسی حور، رنگین تتلی، روشن ردائیں "بند قبا کھلے ہوئے اُلٹا ہوا نقاب" اس منور دنیا میں اور میرے ہی سامنے موجود ہے، میں ایسے منظر اور اس وجود سے یقیناً مرعوب ہو جاتا۔ نگاہیں جھک جاتیں، جسم میں لرزہ اور دل میں خوف پیدا ہو جاتا، مگر میری تگ و دو اور کاوش نے میرے ہوش و حواس اپنی سطح پر قائم رکھے، بیباکانہ ابھی میں معروف تماشا تھا کہ میری اُلجھنوں نے پھر مجھے بے تاب کر دیا، سینے سے نکلی ہوئی آواز اُسوقت کی خموشیوں میں گونجنے لگی، ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے کہا کہ

"اے مجسمۂ حسن و حیات! تجھ میں اگر قوتِ گویائی ہے تو تو ہی مجھے جواب دے میرے اُس سوال کا، جو زمین کی آبادیوں میں، خدا کی مخلوق سے، آسمان والوں سے، غرض ہر کس و ناکس سے میں نے پوچھا مگر سب کی طرف سے ایک سا اور کچھ ایسا جواب ملا کہ میرا قلب مطمئن نہ ہو سکا، تو پھر اے مجموعۂ رنگ و بو! اب تو ہی بتا کہ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے؟"

"ہاں! میں نے سمجھا تیرا مطلب اور وہ سُوال جو تین برس کی طویل مدت میں بھی تجھ سے اور تیری جنس سے اب تک حل نہ ہو سکا، واہ رے تم اور تمہاری دنیا والے، فرشتوں کے مقابلے میں اشرف المخلوقات کی سند حاصل کرنے کے لیے تو پیش پیش ہوئے: عقل کے پتلے بنے، تم، وہ ذات والاصفات کہ تمہارے ہی حضور "گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں"! مگر، اس عقدے کو لاینحل اور سیدھی سادی بات کا تم نے معمہ بنا ڈالا، کان کھول اور سُن کہ "میری تخلیق" کیا ہے۔

"جب اول اول موجوداتِ عالم یعنی یہ نیلگوں آسمان اتنی بڑی زمین، یہ دمکتا ہوا سورج چمکتا ہوا چاند، و

دودھ کی نہریں اور بہشتی میوے، وہ آسمانی فرشتے اور اُن کی عبادت، وہ پھیلی ہوئی چاندنی اور خوفناک تاریکی، غرض ہر وہ چیز جو غائب و حاضر ہے، جب تکمیل کو پہونچ چکی تو اُس خالقِ اکبر نے انسانی آفرینش کے لیئے ناچیز و خاکسار مٹی میں تصرف کیا کہ اُس سے روئیدگی نمودار ہوئی، اور اُسی ناچیز مٹی سے ایک انسان کا پتلا بنایا، جو ہم دونوں اور ساری دنیا کا مورث اعلیٰ تھا۔ لیکن ازل کا سب سے پہلا راز صرف میں ہی ہوں کیونکہ میری تخلیق اُسوقت بھی پردۂ خفا میں رکھی گئی تھی، جب کہ نسل انسانی میں سوائے جناب آدم کے جنت میں کوئی نہ تھا، ان کے اور تنہا اُن کے تصرف میں اتنی بڑی فردوس دیدی گئی، اُسوقت تو میں بھی نہ تھی کہ شریک تصرف ہوتی، اُنہیں اختیار تھا جہاں چاہتے جاتے، جنت کی بہاریں لوٹتے، منہ بند کلیوں اور سرسبز و شاداب پھولوں کے رنگ و بو سے سیر ہوتے، صاف و شفاف نہروں کے بہتے ہوئے پانی میں نہاتے، تفریح کرتے، رنگین پرندوں کے ساتھ جی بہلاتے سب کچھ تھا، اور بیش از بیش تھا، پھر کیا معنی کہ باوجود اسقدر سامان تفریح اور اتنے اسباب تفنن کے بھی جنت ایسی نعمت بھی "دل بدست آور کہ حج اکبر ست" کا صحیح مفہوم نہ بن سکی اور جناب باری تعالیٰ کے حضور میں رجوع ہوئے کہ اے ذاتِ اقدس و مقدس! اتنا سب کچھ ہونے پر بھی جنت میں خدا جانے جی کیوں نہیں لگتا؟ یہ وہ وقت تھا کہ میں جنت اور جنت کے مفہوم سے ابھی ناآشنائے محض تھی، اگرسن اے کریہہ و کرخت جنس! تیری چلتی پھرتی نگاہوں نے پس پردہ بھی اُسی وقت مجھے دیکھ لیا اور تیرے ان بیتاب ہاتھوں نے پردے سے باہر لاکر، اس وسیع دنیا میں سب کے سامنے مجھے یوں چھوڑدیا، اب تو سمجھا؟ "کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را"۔ میری پردہ پوشی تو تیری تخلیق سے بیشتر ہی ہوچکی تھی لیکن تو میری پردہ دری پر آمادہ اور نقاب پوشی کا ہمیشہ دشمن ہی بنا رہا۔

اب اسکو پردہ دری سمجھو یا کچھ اور کہو
تمھارے حسن کا چرچا ضرور میں نے کیا

"حسن کا چرچا کیا" تو پھر یہ پردہ دری نہیں تو اور کیا ہے، اور اب جب پردے کو پھاڑ ہی ڈالا، مجھے بے نقاب بنا ہی دیا تو اب میری تخلیق کے راز اور اُس کے اصلی سبب کو کیا پوچھتا پھرتا ہے، تیری عقل پر تو خود پردے پڑے ہوئے تھے، اور پھر ہمارے اوپر یہ الزام ہے کہ باغ جنت ہاتھوں سے نکلوادیا، خلد کی وہ حکومت جو صرف ہماری مقسوم ہوچکی تھی، کھڑے کھڑے چھنوادی، کیا خوب۔

کیا وہ درس اولین تجھے یاد نہیں، کیا انجام کی خبر نہ تھی؟ ضرور تھی، پھر یہ ہم سے بازپرس کیسی، اس سوال

کے کیا معنی، اس جہان بین کا کیا مطلب؟ تو خود ہی اپنے سوال کا ایک جواب ہے، اپنی چاک داما نیوں پر نظر کر، آستین پر خون کے دھبے دیکھ، اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے ماحول سے شرما، جواب ملنے پر گھبراتا اور الجھتا کیوں ہے؟ اے ایک اور پردہ دری کے حسن! مصر کا قدیم بازار تو تجھے یاد ہی ہوگا، وہ گیا ہوا وقت بھی یاد ہے، جب تیری جنس کے اور تیرے ہی ایسے کچھ بردہ فروش، اپنے گھرانے کی آبرو، اپنے خاندان کی عزت، خدا کی دی ہوئی نعمت اور دیدۂ یعقوب کا نور بیچنے نکلے تھے، نکلے بھی تو سر بازار اور اس مجمع عام میں یہ صدا دیتے ہوئے کہ

"ایک دل بیچتے ہیں ہے کوئی لینے والا"

حسن فروشی کا جب یہ عالم تھا تو قیمت لگانے والے پر کیا الزام، تماشائیوں کے ہجوم اور ان کی نگاہوں کا کیا قصور کہ فلاں نے قیمت کیوں لگائی اور تم نے مجھے دیکھا کیوں؟ بازار میں یوسفی حسن بک رہا تھا، پروانے جوش و خروش کے ساتھ "جان تم پر نثار کرتے ہیں" کہتے ہوئے اپنی جاں نثاری کا ثبوت دے رہے تھے، ایک اذن عام تھا تو پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ایک آوارۂ رنگ و بو، بے تاب دل "نالۂ بلبل کے سننے اور ہمہ تن گوش رہے" چنانچہ یہاں بھی تیری کرشمہ ساز و ہنگامہ آرا طبیعت نے اس ایوان شاہی کے محدود و محفوظ دائرے میں ایک حبت کی زنان مصر کی مجروح و زخم خوردہ انگلیاں تیری ناجائز بے عنوانیوں پر اب بھی خون کی بوندیں ٹپکا رہی ہیں،

اس منظر عام پر، غیر مانوس نگاہوں کے سامنے خود ہی تو نے مجھے براگندہ نقاب کیا، وہاں بردہ فروشوں کی آڑ میں خود ہی میرے بند قبا بھی کھول ڈالے اور مجھ ہی سے پوچھتا ہے کہ اب تو ہی بتا اس کا جواب تیرے پاس کیا ہے؟

پیدا کرنے والے نے تو مصلحتاً مجھے پردہ میں رکھنا چاہا تھا، مگر تو ہی نے دعوت دی، فردوس بریں میں مدعو کیا، کہیں "من قاش فروش دل صد پارہ خویشم" پکار اٹھا اور کسی جگہ اے توبہ شکن و وعدہ فراموش، ا بھائی بھائی کی جدال و قتال میں میرے بے لوث اور پاک و صاف دامن کا افسانہ بنا دیا۔

اب بھی غنیمت تھا کہ تو اپنا زبردست ہاتھ میری کمزور گردن سے ہٹا لیتا، مگر تیری مضبوط گرفت! اُف! اتنی سخت اور اذیت کوش ہے کہ خدا کے سامنے بھی تیری شکایت کروں گی، مکتب کا بچہ بچہ، وادی نجد کا ذرہ ذرہ شاہد ہے کہ وہاں بھی کس بیدردی کے ساتھ میرے محمل کے پرزے اڑا ڈالے گئے، ساربان ظالم بھی تیری ان دراز دستیوں کو دیکھا کیا، یہی نہیں ٹکے کے مزدور نے حسن پرستی اختیار کی، دل میں عشق بغل میں تیشہ

لگے پہاڑوں سے سر ٹکراتے کہ میرا سارا ننگ و ناموس ایک آن واحد میں "دفتر بے معنیٰ" کی طرح جوئے شیر میں بہادیا۔

تم ہی کچھ اپنی سلطنت کی قدر کرتے، خدا کی دی ہوئی نعمت پر صبر و شکر سے کام لیتے، مگر مہاراج! تم نے تو اور بھی غضب کیا، وہ قارونی خزانہ یوں ٹھکرا کر خوب ہی میرا پردہ فاش کیا کہ دنیا آج تک ہنستی ہے اور ہنستی رہیگی۔

رانی درو پدی کی تصویر بھی مہابھارت کے اوراق میں دیکھ کہ کوروؤں کے تیروں کی بوچھار اور پانڈوں کی گولیوں کی بارش نے اُس کا گھونگھٹ کیسا چھلنی کر دیا، اب تو ہی بتا کیا یہ صحیح جواب نہیں ہے تیرے اُس سوال کا جس کے جواب کے لیئے تو سخت بیچین تھا، میں نے کب کہا تھا کہ اپنے "سر شوریدہ" اور "پائے دشت پیما" کی الجھنوں میں مدت العمر کے لیئے مجنون اور ہمیشہ کے لیئے آوارہ گرد بن جانا، میں نے کب فرمائش کی تھی کہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر محلوں کے خواب دیکھنا، مزدوری چھوڑ کر والیٔہ شیریں ہو جا، راجہ نل نے اپنی دولت و ثروت اور عزت و حرمت پر لات ماری تو دمن نے کب کہا تھا کہ فقیری لے لو، انہوں نے اگر فساد و عناد برپا کیا اور خون کی ندیاں بہادیں، تو درو پدی کی یہ کب خواہش تھی، کہ فریقین یوں سرخرو ہو کر اسکی حضوری میں داخل ہوں، نہ یہ کہا تھا نہ وہ کہا تھا، پھر کیا بات تھی کہ جنت سے تو گھبرا اٹھا، حسن فروشی تو نے اختیار کی، والیٔ یونان کی بیٹی جو سترہ برس تک اپنے چہرے کو نقاب پوش بنائے رہی وینس کا وہ معمولی تیر انداز غضب خدا کا اُسے چٹکیوں میں یوں برباد کر دے، پھر تجھے یاد ہے تیرے زعم باطل کا انجام کیا ہوا، شکار کرنے نکلا تھا کہ خود ہی زخمی بھی ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عصمت و عفت کی قدر تو ابتدائے آفرینش ہی سے نہ ہوئی ورنہ میری تخلیق جو صرف تیری بیتابیوں کے باعث ہوئی تھی وہ یوں رسوا و بدنام نہ ہوتی،

شکنتلا اپنے باغ کی سیر و تفریح میں مشغول ہوتی ہے، انسویا اور پریم بدا دونوں اُس کے ساتھ ہیں اپنے خدا کی عبادت کے لیئے خوشرنگ پھولوں کا انتخاب کر رہی ہیں، شکنتلا اپنے حال سے خوش، اور مستقبل سے بے خبر، عالم رنگ و بو میں محو ہو کر دنیا و مافیہا کو بھول جاتی ہے، پھر شکار کی تلاش میں اگر دشنیت آیا تھا تو کیا ضرور تھا کہ وہ اپنے مقصود کو چھوڑ کر، اُس سے بالکل جدا ایک اور شکار میں مشغول ہو جاتا، مشغول ہوا بھی تو اُن بے عنوانیوں کے ساتھ کہ اپنے اعمال و اطوار پر آخرکار سر بہ گریباں ہونا پڑا۔ نور جہاں اپنے مستقبل سے بہت شاہی محل کی آب و ہوا سے بالکل الگ اور شاہ جہاں کی نظروں سے اوجھل آزادانہ سانس لے رہی تھی

نازم نگہ شرم کہ دلہا زمیاں برد   زاں ساں کہ خود آں چشم فسوں ساز ندانست

یعنی اُس حدیقۂ جمال کو بوئے گل کی طرح حریم ناز سے باہر لاکر ہوا کی لبیط فضا میں اسطرح چھوڑ دیا کہ تاج محل کے تماشائی اب بھی ممتاز محل کا افسانہ پڑھنے جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ اب تو ہی بتا عباسہ کی وہ پرانی اور بوسیدہ چادر کیا ہوئی؟ تو نے چھین لی، آخر کیوں؟ صرف اس لیئے کہ اُس چادر کی دھجیاں اڑا دیجائیں، عذرا کا نام اس نسل تک کیسے پہونچا یا؟ تیری خانہ برانداز نگاہوں نے، شکنتلا کی رنگینی و نکہت کیونکر پھیلی؟ ایک شکاری اور زود فراموش کی بدولت، تو اب یہ فیصلہ ہوچکا کہ میرا وہ حسن و جمال جسے حقیقتاً مستور رہنا چاہیئے تھا اُسے تو نے فاش کیا، میری تخلیق جو جناب آدم کی پیدائش تک نہ ہوئی تھی صرف تیرے بیتاب ہاتھوں کی بدولت ہوئی، نورجہاں کے رنگ محل میں تو ہی تھا جو مکر و فریب کے رنگ کھیلا بزم زلیخا کی برہمی کا باعث تو ہی ہوا اور پکار اٹھا کہ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیئے، لیلی کا محل، شیریں کا آستانۂ نازوہ ممنوعہ درخت غرض جس چیز پر بھی ہاتھ صاف ہوا، وہ تیرا ہی قوی و زبردست ہاتھ تھا، تیری ہی تیز نگاہیاں تھی کہ

جو رہمہ جہانیاں می کشم از برائے تو

اُسوقت کی خاموش فضا میں یہ تقریر گوہر بار میں سُن رہا تھا، گفتگو دلچسپ تھی اور معنی خیز کہ لیکا یک ایک ہیجانی کیفیت پھر پیدا ہوئی، تقریر ختم ہوچکی تھی اور اب اس خیال سے کہ اُس ہنگامۂ حسن و جمال تک پہونچ سکوں، میں نے حرکت کی اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ "اے ملکۂ عالم! ....

مگر میرے اس ارادے کی ابھی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ اُس کے شانہ و دوش پر بکھرے ہوئے سنہرے گیسو آپس میں لپٹنا شروع ہوئے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ ردشن کرنیں اُنھیں گیسوؤں کے پیچ و خم میں کہیں زائل ہوتی جاتی ہیں، چنانچہ یہی ہوا اور میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا چھا گیا، یہ انقلاب میرے لیئے یقیناً سوہان روح تھا گھبرا کر چیخ اٹھا اور تیزی کے ساتھ اُس طرف لپکا، لپکا تو گر بھی پڑا گرتے ہی آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تنفس میں ایک خاص قسم کی سرعت ہے، نہ وہ عالم نور ہے، نہ کہیں پیکر نور، وہی دنیا اور دنیا کے ہنگامے، وہی زمین و آسمان اور میں یعنی

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

سرور - مارہروی

سالگرہ کا ہدیہ

-۱-

رابرٹ کی عمر ہرچند پچاس سے متجاوز ہوگئی تھی اور تمام وہ سنجیدگیاں جو اس عمر میں پیدا ہوکر شباب و شیب کے درمیان حدفاصل ہوجایا کرتی ہیں، اسمیں بھی نظر آنے لگی تھیں، لیکن چونکہ دولت ہمیشہ جوان رہتی ہے اسلیئے رابرٹ بھی اپنے آپ کو ضعیف خیال کرتے شرماتا تھا، اور سوسائٹی کی عورتیں تو اس کا تملق بالکل اسطرح کرتی تھیں گویا اس کے شباب نے حال ہی میں انگڑائیاں لینی شروع کی ہیں۔

عنفوانِ شباب میں اسکی شادی ہوچکی تھی، لیکن بیوی چند سال کے بعد ہی تپ کہنہ میں مبتلا ہوکر مرگئی، اور چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اسلیئے چند دن میں رابرٹ اس واقعہ کو بالکل بھول گیا اور رفتہ رفتہ سب لوگ اسے کنوارا ہی باور کرنے لگے۔ باپ کے مرنے کے بعد رابرٹ پر کاروبار کا بوجھ ایسا پڑگیا کہ دنیا و مافیہا کو بھول جانے پر مجبور ہوگیا اور پھر برابر ایسے مدوجزر میں مبتلا رہا کہ اسکے سامنے کوئی اور سوال ہی نہ تھا اور رات دن اسی انہماک میں مصروف رہتا تھا، حتی کہ اسکی عمر چالیس سے متجاوز ہوگئی اور کامل بیس سال کی کاوش کے بعد وہ اس قابل ہوا کہ اپنے آپ کو خطرہ سے محفوظ سمجھ سکا۔

گزشتہ دس بارہ سال کے اندر اس نے حیرتناک طریقہ پر ترقی کی اور روئی کے کاروبار نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ وہ بہت جلد لکھ پتی سے کروڑپتی ہوگیا، اور شہر برائٹن کی بلندترین سوسائٹی کا گل سرسبد سمجھا جانے لگا۔

اونچے اونچے طبقہ کی عورتیں جن کا مشغلہ، لطفِ صحبت، جلبِ زر، نمائشِ حسن، سیروتفریح اور حلیۂ رقص وسرود کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ کھنچ کھنچ کر رابرٹ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتی جارہی تھیں اور یہ بھی اپنے ایامِ جوانی کے مصائب سے انتقام لینے کے لیئے عہدِ ضعیفی میں انکی پذیرائی کرنے میں بخل نہ کرتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اپنے کاروبار کو اپنے ملازموں کے سپرد کرکے چند دن آرام سے بسر کرے، اور جس وقت یہ خبر عام ہوئی تو برائٹن کی ایک ایک خاتون اس امر کی کوشش کرنے لگی کہ کسی طرح ایام تفریح میں وہ اسکی شریک صحبت ہوسکے

رابرٹ اپنی اس مرکزیت سے بخوبی آگاہ تھا، اور اگر وہ چاہتا تو اونچے سے اونچے خاندان میں تعلق ازدواج

پیدا کر لیا، لیکن اسنے اس مقصد کے لیئے ایک معمولی خاندان کی لڑکی کو پسند کیا، جو مختصر سی قدیم جائداد پر زندگی بسر کرتا تھا، اس کا نام لوسی تھا اور ہر چند اسکی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہوئی تھی اور نہ صورت شکل کے لحاظ سے کوئی غیر معمولی چیز تھی لیکن فطرتاً وہ نہایت سلیم الذوق تھی اور محبت کیئے جانے کی اہل۔ اسلیئے جب رابرٹ نے موسم بہار کسی جگہ باہر بسر کرنے کا ارادہ کیا تو اپنی معیت کے لیئے اسنے لوسی ہی کا انتخاب کیا اور جب سارا اسباب وہاں پہونچگیا تو ایک ہفتہ قبل اسنے لوسی کو روانہ کر دیا تاکہ اس نئی جگہ کو اپنے ذوق کے مطابق درست کرے۔

~۲~

اندرون اسکاٹلینڈ میں اب بھی بہت سے ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جہاں تمدن جدید کی روشنی نے پورے طور پر نفوذ نہیں کیا ہے، اور جہاں کے باشندے اب تک نیم وحشی حالت میں پائے جاتے ہیں چنانچہ انہیں میں سے ایک گانوں، نزیکا ہے جس کا انتخاب رابرٹ نے کیا تھا اور جہاں لوسی کے ساتھ چند دن سکون و آرام کے بسر کرنے کے لیئے اسنے انتظام کیا تھا، دریا کے کنارے بلند ٹیلے پر ایک صاف ستھرا مکان کرایہ پر لیا گیا تھا اور اسکی آرائش کے لیئے تمام ضروری سامان معہ چند گھوڑوں کے برائی ٹن سے بھیجدیا گیا تھا۔

جس دن رابرٹ یہاں پہونچا، لوسی کو آئے ہوئے دس دن ہو چکے تھے اور وہ یہاں کے لوگوں، یہاں کے حالات و مناظر سے نسبتاً زیادہ آگاہ ہو چکی تھی، موسم کی پاکیزگی، صاف ستھری ہوا، لب آب مکان کا جائے وقوع، سادہ فطرت لوگوں کا جوار، یہ تمام باتیں بجائے خود ایسی تھیں کہ رابرٹ کے دل و دماغ سے کاروبار کی تھکن کو جلد زائل کر دینے والی تھیں، لیکن اسے سب سے زیادہ مسرت اس امر سے تھی کہ لوسی نے اس مقام کو بہت پسند کیا تھا اور دس دن کے اندر ہی وہاں کے وحشی باشندے اس سے اسقدر مانوس ہو گئے تھے، کہ وہ اسکو بھی اپنا ہی ایک جزو سمجھنے لگے تھے۔

شام کا وقت تھا، آفتاب غروب ہو رہا تھا، خنک ہوا جنگلی پھولوں کی خوشبو سے لدی ہوئی دریچوں کے اندر سے آ رہی تھی، اور رابرٹ، لوسی کے ساتھ ساحل پر بیٹھا ہوا چائے نوشی میں مصروف تھا کہ اسکی نگاہ دوسرے ساحل کی طرف گئی اور اسطرف دور سے ایک پہاڑی نظر آئی جسپر پرانے زمانہ کا ایک عالی شان قصر قائم تھا، رابرٹ نے لوسی سے دریافت کیا کہ یہ کیا مقام ہے، اور اسنے جواب دیا کہ اس پہاڑی کا نام بلی دیو ہے اور یہ قصر ملکہ الزبتھ کے زمانہ سے ایک خاندان کے قبضہ میں چلا آتا ہے جو اسی گانوں کا رہنے والا ہے، اور آجکل مسٹر جوسف اس کا مالک ہے، میں نے یہ قصر دیکھا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اس کا مالک اس کے قبضہ پر جتنا فخر بھی کرے

قصر اسی دریا کے کنارے واقع ہے، اور صد درجہ خوش منظر ہے، بار ہا جی میں آیا کہ آپ سے اس کا ذکر کروں لیکن موقع نہیں ملا، آپ بھی ضرور دیکھیئے۔

رابرٹ اسوقت بہت مسرور تھا، اور لوسی کے اس بیان سے اسقدر متاثر تھا، کہ اسنے یہ سننے کے بعد اس سے کہا کہ "لوسی، چونکہ تم کو یہ قصر بہت پسند ہے اسلیئے میں تمہاری آیندہ سالگرہ کی تقریب پر اسکو تمھاری ملکیت میں دینا چاہتا ہوں۔"

لوسی یہ سنکر پہلے تو سخت متحیر ہوئی اور پھر اسکو رابرٹ کا مذاق سمجھکر ہنس دی، لیکن رابرٹ نے پھر سنجیدگی کے ساتھ اس وعدہ کی تکرار کی اور ڈاک کے آجانے سے یہ بات اسی جگہ ختم ہوکر رہ گئی۔

~~~۳~~

جوسف، اس گانوں میں سب سے زیادہ معزز انسان تسلیم کیا جاتا تھا، اور ہر چند دولت کے لحاظ سے وہ کوئی خاص مرتبہ نہ رکھتا تھا، لیکن پھر بھی وہ گانوں کا سب سے بڑا آدمی تسلیم کیا جاتا تھا، کیونکہ علاوہ قصر بلی دیو کی ملکیت کے روئی کی کاشت بھی وہ بڑے پیمانہ پر کرتا تھا اور اسطرح گویا گانوں کے اکثر آدمی اسکی ملازمت میں داخل تھے، ہر چند یہ ابھی بالکل نوجوان تھا اور تعلیم و تربیت سے بھی کوئی حصہ اسکو نہ ملا تھا، لیکن اپنے خاندان کی قدامت اعزاز کا احساس اسکو ضروری تھا اور حتی الامکان اس کے رکھ رکھاؤ میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھتا تھا،

جسوقت رابرٹ اس سے ملنے کے لیئے گیا تو اسنے اپنی ساری دہقانی مدارات اسکے لیئے صرف کر دی اور ساتھ ساتھ رہکر قصر کا ایک ایک کونہ اور گودام کا ایک ایک حصہ اسکو دکھایا، لیکن رابرٹ کو جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی وہ اس زمین کی شادابی تھی اور دریا کی روانی جہاں ایک چکی بھی قائم تھی، اور گانوں کی عورتوں اور لڑکیوں کے ہجوم میں ہر وقت چلا کرتی تھی۔

صبح کا سارا وقت رابرٹ نے اس جگہ کے دیکھنے میں صرف کیا اور جوسف بہت مسرور تھا کہ اسنے اپنے معزز مہمان کی اپنے طرز عمل سے کسی شکایت کا موقعہ نہ دیا، لیکن جب رخصت کے وقت رابرٹ نے اس سے کہا کہ "میں اس قصر کو معہ تمام متعلقہ زمین کے خریدنا چاہتا ہوں" تو اسکو سخت تکلیف پہونچی اور چند لمحہ تک اسکی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا کوئی جواب دے، آخرکار تھوڑی دیر تامل کرنے کے بعد اسنے جواب دیا کہ "ایک معزز مہمان ہونے کی حیثیت سے میں آپ کو اسوقت صرف یہی جواب دے سکتا ہوں کہ یہ قصر فروخت کرنے کے لیئے نہیں ہے اور نہ سب مجھے
~~~

اس کو علیحدہ کرنے کی ضرورت ہے۔"

رابرٹ۔ "مسٹر جوسف، آپ کاروباری آدمی ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایک تاجر کے لیئے ہر چیز خرید و فروخت کی محل ہو سکتی ہے، اگر نفع کی توقع ہو، اسلیئے ضرورت کا سوال بھی اس صورت میں اٹھ جاتا ہے۔"

جوسف۔ "لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں ایک غیر متمدن تاجر ہوں اور میری تجارت میں بڑا حصہ توکل وقناعت کا بھی شامل ہے، ممکن ہے کہ اسوقت آپ اس مکان کی قیمت کچھ زائد دے کر مجھے چند دن کے لیئے مطمئن زندگی کر دینے کا اہل بنا دیں، لیکن اسکے مقابلہ میں جو تکلیف مجھے اپنے اس قدیم خاندانی مکان کے چھوڑنے سے ہوگی، اسکو ایک دیہقانی ہی سمجھ سکتا ہے اور اسلیئے میرے لیئے ناممکن ہے کہ یہ سودا کر سکوں، علی الخصوص اسوقت جبکہ میرا سارا کاروبار بھی اس گانوں سے متعلق ہے اور اس گانوں میں میری عزت صرف اس قصر کی ملکیت کی وجہ سے قائم ہے۔"

رابرٹ کو چاہیئے تھا کہ وہ اسکے بعد خاموش رہ جاتا، لیکن چونکہ دولت کے لیئے ہٹ اور ضد قابل برداشت چیز ہے، اسلیئے وہ برابر اس مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا، اور جوسف کی سنجیدگی برہمی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ جب اُسنے دیکھ لیا، کہ یہ شخص یوں نہیں مانے گا تو اُسنے ایک مرتبہ جھنجھلا کر کہا کہ "اچھا اگر میں اسکو علیحدہ بھی کروں تو آپ اسکی قیمت کیونکر ادا کر سکیں گے جب کہ میں اسکے عوض میں بڑی سی بڑی رقم طلب کرنے سے احتراز نہ کرونگا۔"

یہ سنکر رابرٹ مسکرایا اور اُسنے اپنی جیب سے چک بُک نکال کر اس کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ آپکو اختیار ہے کہ سادہ چک پر جسقدر رقم چاہے درج کر دیجیئے، میں اسی وقت دستخط کر کے آپ کے حوالہ کر دونگا۔ کیا دنیا میں اس سے زیادہ آسان اور اطمینان بخش سودا اور کوئی ہو سکتا ہے۔"

یہ سنکر جوسف سخت متحیر ہوا، اور تھوڑی دیر کے لیئے وہ اپنے عزم کو مضمحل محسوس کرنے لگا، لیکن اسکی شریفانہ خودداری پھر عود کر آئی، اور اُسنے جھنجھلا کر جواب دیا کہ "مسٹر رابرٹ، معاف کیجیئے میں دنیا کی کسی قیمت پر اس مکان کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اور اب چونکہ مجھے اپنا کام دیکھنا ہے اسلیئے رخصت ہوتا ہوں۔"

۴

گزشتہ واقعہ کو ایک ہفتہ کا زمانہ گزر گیا ہے اور اس دوران میں کوئی نئی بات ظاہر نہیں ہوئی سوائے اسکے کہ روئی کا بھاؤ دفعۃً گر گیا اور تجارتی حلقوں میں بےچینی پھیلنے لگی۔ اخبارات میں اس کا چرچا پھیلا اور اس کا سبب دریافت کرنے کے لیئے خدا معلوم کس کس قیاس سے کام لیا گیا، کیونکہ حقیقت کا علم بہت کم لوگوں کو

تھا، اور شاید ابھی تک سوائے رابرٹ کے کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس ارزانی کو اس حد تک برابر جاری رہتا ہے جب تک تجارتی توازن بالکل درہم برہم ہو کر چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا دیوالہ نہ نکل جائے۔

جب رابرٹ، جوسف کے پاس سے ناکام واپس آیا، تو اسنے اپنی سرمایہ داری کی قوت سے کام لینا چاہا اور فوراً اپنے لندنی ایجنٹ کو اطلاع دی کہ جسقدر ذخیرہ روئی کا موجود ہے اسمیں سے ایک ربع حصہ فوراً فروخت کر دیا جائے اور قیمت کی کمی بیشی کا لحاظ نہ کیا جائے، چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ روئی کا بھاؤ گر گیا اور جب جوسف کو اسکی خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی متوحش ہوا کیونکہ اسنے بھی کافی ذخیرہ اس امید پر محفوظ کر لیا تھا، کہ موسم کے وقت اچھے داموں فروخت ہو جائیگی۔ لیکن اسنے خیال کیا کہ یہ ہنگامی بات ہے اور اگر چند دن صبر کر لیا جائے تو خطرہ نکل جائیگا، لیکن اس غریب کو کیا خبر تھی کہ یہ خطرہ صرف اسی کے لیئے پیدا کیا گیا تھا، اور سرمایہ داری اپنی پوری قوت کے ساتھ اسکو پامال کر دینے کے لیے آمادہ تھی۔

جب رابرٹ کو اسکے ایجنٹ کا تار ملا کہ ربع ذخیرہ نکال دینے سے روئی کا بھاؤ اسقدر گر گیا ہے تو اسنے دوبارہ ہدایت بھیجی کہ ایک ثلث حصہ اور فروخت کر دیا جائے اور گزشتہ نرخ سے نصف قیمت پر۔ چنانچہ جسوقت اسپر عمل کیا گیا۔ تو بازار میں قیامت کبریٰ قائم ہوگئی، اور جن جن بیوپاریوں نے باہر آرڈر دے رکھے تھے اُن کو تار کے ذریعہ سے منسوخ کرانا شروع کیا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہفتہ میں جوسف کے پاس جتنے آرڈر آئے تھے سب منسوخ ہو گئے، اور چند گھنٹوں کے اندر وہ بالکل فقیر ہو کر رہ گیا، وہ سمجھتا تھا کہ جسوقت بیوپاریوں کے پاس سے روپیہ آئیگا وہ اپنے ملازموں اور کاشتکاروں کے مطالبات پورے کر دیگا لیکن جب وہاں کے آرڈر منسوخ ہوئے اور لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ ہجوم کر کے آگئے اور جوسف سے اپنی اُجرت اور مال کی قیمت کا مطالبہ سختی سے شروع کرنے لگے۔ یہاں اسکی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اپنا تمام سرمایہ روئی کے ذخیرہ پر لگا چکا تھا اور اب اس کے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہ تھا، وہ اگر موجودہ نرخ پر فروخت کرنا بھی چاہتا تو اس کے لیئے ممکن نہ تھا کیونکہ وہ منڈی سے بہت دور تھا، اور مصارف باربرداری سہنا کرنا ضروری تھا، اس نے اپنے بیوپاریوں کو تار دیا کہ موجودہ نرخ پر سودا کر لیا جائے لیکن اسمیں بھی کامیابی نہ ہوئی، کیونکہ آئندہ ہفتہ اور زیادہ بھاؤ گر جانے کا اندیشہ تھا اور کسی میں سودا کرنے کی ہمت نہ تھی، الغرض جوسف نے اپنی تمام امکانی تدابیر معاملہ کو سلجھانے میں صرف کر دیں لیکن کسی میں کامیابی نہ ہوئی اور جب رابرٹ کو معلوم ہو گیا کہ اس کی حالت بہت زیادہ سقیم ہو گئی ہے، تو اسنے ایک تحریر جوسف کے پاس بھیجی اور قصر کے خریداری کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے قیمت کے سوال کو پھر بھی اسی پر چھوڑ دیا۔

اسمیں شک نہیں کہ یہ وقت جوسف کے لیئے نہایت سخت تھا اور اسکی غیرت کسی طرح گوارا نہ کرتی تھی، کہ وہ مکان کو علیحدہ کردے لیکن حالات کچھ اسدرجہ نازک ہوگئے تھے، کہ اب اُسے کوئی مفر بھی نظر نہ آتا تھا، اسنے غور و تامل کرنے کے بعد فیصلہ کرلیا کہ مکان کا فروخت کردینا ضروری ہے، لیکن اسکی جو خاندانی یادگار اسمیں پائی جاتی ہیں وہ علیحدہ کرلینی چاہیئے، مگر رابرٹ نے جواب دیا کہ "مکان کی قیمت آپ مقرر کرتے ہیں تو شرائط فروخت میرے ہونگے اور میں اسکو کسی طرح گوارا نہ کرونگا کہ آپ ایک سوئی بھی وہاں سے منتقل کرکے لیجائیں"

الغرض دو دن تک یہی بحث جاری رہی اور جوسف کو مجبور ہوکر یہ مکان معہ تمام اپنے سامان کے ایک لاکھ پونڈ میں رابرٹ کے ہات فروخت کرنا پڑا۔

~~۵~~

لوسی کی بیسویں سالگرہ کا دن آیا، دوست احباب جمع ہوئے، محفل نشاط برپا ہوئی دعوتوں کا ہجوم ہوا اور قصر بلی دیو معہ متعلقہ زمین اور اپنے تمام سامان کے باضابطہ طور پر لوسی کے نام سے منتقل کردیا گیا، اس کے دوسرے دن جب سارے اسباب کی فہرست مرتب ہوئی، تو صندوقوں میں سے منجملہ بہت سے پرانے اسباب کے ایک پرانی قسم کا گون (ملبوس) بھی نکلا جو اتنا قیمتی تو نہ تھا لیکن اپنی تراش و وضع کے لحاظ سے نہایت عجیب و غریب تھا۔ لوسی اسکو دیکھکر بہت خوش ہوئی اور اسکو محفوظ رکھ لیا کہ کبھی کبھی اسکو پہنکر گانوں میں نکلیگی۔

جشن سالگرہ ختم ہونے پر مہمان رخصت ہوچکے ہیں، اور رابرٹ بھی چند روز کے لیئے لوسی کو وہیں چھوڑکر بعض نہایت ضروری مسائل طے کرنے کی غرض سے برائی ٹن چلا گیا ہے، لوسی معمولاً صبح و شام شکار کو چلی جاتی ہے اور دن بھر مکان کی تہذیب و ترتیب، مرمت و صفائی کی نگرانی میں صرف کرتی ہے۔

رابرٹ کی روانگی کے دوسرے دن، صبح کو وہ، وہی گون پہنے گھوڑے پر سوار شکار سے واپس آرہی تھی کہ راستہ بھول گئی اور دریا کے کنارے ایسی جگہ پہونچگئی جسکو وہ عبور نہ کرسکتی تھی، وہ اسی فکر میں تھی کہ کس سے راستہ دریافت کرے کہ سامنے سے اُسے ایک دہقانی نوجوان نظر آیا۔ لیکن جب وہ اسکے قریب پہونچی اور راستہ دریافت کیا تو اسنے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھالیں اور نہایت کراہت سے منہ پھیر کر گزرجانا چاہا۔ لوسی کو اسکے طرز عمل سے سخت حیرت ہوئی کیونکہ گانوں والوں سے ایسی بدسلوکی کا تجربہ اسکے لیئے بالکل نیا تھا، اسلیئے وہ فوراً گھوڑے سے اتر پڑی اور اسس آدمی سے دریافت کیا کہ "آپ مجھے راستہ بتائیں یا نہ بتائیں۔ لیکن خدا کے لیئے اس بدمزاجی و بیزاری کا سبب ضرور بتا دیجیئے، اگر کبھی مجھ سے کوئی تکلیف آپ کو پہونچی ہے تو میں معافی طلب

کرنے کے لیے آمادہ ہوں"

اس شخص نے یہ گفتگو سنکر اپنے قدم روک لیے اور مڑکر لوسی کو دیکھا، لیکن دیکھتے ہی پھر اُسنے مُنہ پھیرلیا، لوسی اسکے اس انداز پر مسکرائی اور بولی کہ "کیا میری صورت اسقدر مہیب ہو کہ آپ کو دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا، آخر کوئی سبب تو بتائیے"

اسنے جواب دیا کہ "مجھے یقیناً تمہاری صورت سے نفرت ہونی چاہیئے، کیونکہ میرے تمام مصائب کا سررشتہ تمہارے ہات میں ہو اور میری غریب الوطنی کا باعث صرف تمہاری ذات ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ قصر لمبی دیو صرف تمہاری غرض سے مجھ سے چھینا گیا، اور کیا تم اس سے بے خبر ہو کہ اسوقت جو گون تم پہنے ہوئے ہو وہ میری ماں کی شادی کا ملبوس ہے جسکو میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، لیکن اسکو بھی ہات سے دیدینے پر مجبور کیا گیا، تم ایک شخص کو تباہ و برباد کردو، اُس کا گھر چھین لو۔ اسکی عزت خاک میں ملادو۔ اسکی خاندانی محبوب یادگار چیزوں پر قابض ہوجاؤ، اور وہ تمہاری طرف سے منھ بھی نہ پھیرے۔ کم از کم اتنا اختیار تو اُسے دینا چاہیئے"

لوسی نے جوسف کا نام تو بارہا سنا تھا، لیکن دیکھنے کا موقعہ نہ ملا تھا، آج جو اس حال میں اسکو دیکھا تو بہت متاثر ہوئی اور آبدیدہ ہو کر بولی کہ "مسٹر جوسف، مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے اتنی تکلیف پہونچی لیکن آپ یقین کیجیئے کہ میں اس سے بالکل بے خبر ہوں کہ آپ نے اپنا مکان کن حالات کے ماتحت فروخت کیا، اور آپ کی تباہیاں کیوں مجھ سے متعلق ہیں، اگر حرج نہ ہو تو بیٹھ جائیے اور مختصراً مجھ سے بیان کیجیئے کہ یہ سب کیونکر ہوا اور اسکی تلافی کسطرح ممکن ہے"

جوسف یہ سنکر بہت متاثر ہوا اور اسنے آلنسو ٹپکا کر اپنی ساری سرگزشت سنائی کہ کسطرح پہلے رابرٹ سے اسنے انکار کیا اور پھر اسنے کس ترکیب سے روئی کا بھاؤ گرا کر اسکو مکان بیچنے پر مجبور کیا، لوسی کے لیئے یہ واقعات بالکل نئے تھے اور وہ مطلقاً اس سے آگاہ نہ تھی کہ اسکی سالگرہ کا ہدیہ حقیقتاً اسدرجہ خون آلود تھا۔

لوسی نے یہ تمام واقعات سننے کے بعد سوائے اسکے اور کوئی جواب نہ دیا کہ اگر ممکن ہو تو شام کی چاء میرے ساتھ پیجیئے، لیکن جوسف نے اس سے انکار کیا کیونکہ اسکے لیئے محال تھا کہ وہ اس مکان میں مہمان کی حیثیت سے جائے جس کا وہ اتنے عرصہ تک مالک رہ چکا تھا، تاہم وہ اسپر راضی ہوگیا کہ شام کو اسی جگہ ملیگا، اور اگر ممکن ہوا تو شکار میں لوسی کی مدد کریگا۔

گزشتہ واقعہ کو ایک ہفتہ سے زائد زمانہ گزر گیا ہے اور اس دوران میں جوسف کی سادگی طبع اور

بلندی فطرت کی دلربا شانوں نے لوسی کو اسقدر گرویدہ کر لیا ہو کہ وہ ایک دن بھی بغیر اسکی لبسر نہیں کر سکتی اور بعض اوقات تو ایسا محسوس کرنے لگتی ہے کہ اس کا قلب بعض بالکل نئے احساسات سے لبریز ہے۔

اس دوران میں رابرٹ کے کئی تار اسی مضمون کے موصول ہوئے، کہ وہ ابھی بعض اسباب کی بنا پر وہاں نہیں آسکتا، اسلیئے اگر ممکن ہو تو لوسی لوٹ آئے، لیکن اسنے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ "میں ابھی اپنی نئی جائداد سے سیر نہیں ہوئی ہوں"۔ رابرٹ لوسی کے ان جوابوں کو اسکی سادگی و معصومیت پر محمول کرکے بہت مسرور ہوتا تھا۔ لیکن اُسکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک دن اسکو اس مضمون کا تار ملا کہ:-

"آپ نے سرمایہ داری کی ظالم ترین تدابیر سے ایک شخص کو اسکی جائداد سے محروم کرنا چاہا، اور کامیاب ہوئے اب میں محبت کے رقیق ترین جذبات سے کام لیکر اس ظلم کی تلافی کرتی ہوں اور مسٹر جوسف کو نہ صرف ان کا مکان واپس کیئے دیتی ہوں بلکہ اسی کے ساتھ ایک چیز اور بھی پیش کرتی ہوں جس کا نام کل صبح تک لوسی تھا اور آج مسز جوسف ہے"

ل۔ ر

ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اردو کلام کا مجموعہ شائع ہوگیا

بانگ درا

جناب علامہ ممدوح کی تقریباً ڈیڑھ سو عالی پایہ حیات افزا اور جذبہ انگیز نظموں کا مجموعہ ہو جسمیں ممدوح نے اپنی شائع شدہ نظموں کو بعد اصلاح و انتخاب مرتب فرمایا ہو، اور بہت سی غیر مطبوعہ نظمیں بھی شامل کی ہیں، جناب علامہ کا تخیل بلند، آپ کی ترجمانی فطرت آپ کے رشحاتِ خیال کا جوش و خروش ہماری تعریف سے مستغنی ہو۔ ہم اقبال کے بادۂ تخیل کے سرشاروں کو صلائے عام دیتے ہیں کہ جہاں تک جلد ہوسکے وہ اس بے بہا مجموعہ کو خرید لیں، پہلا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے اور دوسرے ایڈیشن کا چھپا کچھ سوہان روح ہوا کرتا ہی اسے ارباب ذوق خوب جانتے ہیں۔ قیمت فی جلد للعہ۔ مجلد عہ کتابت و طباعت نہایت نظر فریب کاغذ نفیس ضخامت ساڑھے تین سو صفحات

ملنے کا پتہ

شیخ ممتاز علی اینڈ سنز دار الاشاعت پنجاب ۱۹۵ ریلوے روڈ۔ لاہور

ایک پیرِ فانی کی کہانی

نہ کر یہ دھیان کہ معدوم محض تو ہو گا
برنگِ سبزۂ نوخیز پھر نمو ہو گا

زمیں سے اُگتے ہیں جیسے نبات مٹ مٹ کر
یوں ہی ظہور ترا، اے نجستہ خو! ہو گا

وہ جزو لایتجزّی جو تخم ہے تیرا
وہ تخم بڑھ کے یہی جسم ہو بہو ہو گا

ملیگا چیت تجھے - اور یہ ہوگا اُس کا فیض
مقام جس کا قریبِ رگِ گلو ہو گا

یہ چیت ہے جو حقیقت میں عکس روح الروح
وہ ہم میں آکے ہوا ہم - تو تجھ میں تو ہو گا

وہ روح شمع بھی خورشید بھی سمندر بھی
اُسی کی لو ہو ضیا ہو کہ موج - تو ہو گا

غرضکہ بھول سا یہ جسم جب ہوا طیار
عیاں یہ چیت بھی مانند رنگ و بو ہو گا

حریم قدس میں اُسوقت ہو گا تو داخل
ترا بھی مسکن و ماوا مقام ہُو ہو گا

اُسی کی ذات میں ہو جائیگا فنا پھر تو
ترا معاملہ تب جاکے ایک سو ہو گا

نہ پوچھ ہو گا تجھے جب کہ وصل یار نصیب
مرقع دو جہاں تیرے رو برو ہو گا

سرور محض و لقائے دوام و علم لدن
صفات و ذات میں پیدا الصمد غلو ہو گا

وہ جا ملیگی تجھے جیسپہ سو بہشت نثار
کہیں بہشت پہ فوق اے نجستہ خو ہو گا

اسی پہ ناز ہے زاہد! بہشت میں ہے کیا؟
یہی کہ مجمع حورانِ ماہ رو ہو گا

خیال دل سے ہٹا ایسی مادیت کا
وگرنہ مورد ایراد عقل تو ہو گا

خدا نکردہ رہا گر کثیف جامۂ تن
لباسِ نفس بھی محتاجِ شست و شو ہو گا

تعصب و حسد و کینۂ و دل آزاری
اسی قبیل کا عصیاں ترا عدو ہو گا

بچا نہ تو اگر اس قسم کے گناہوں سے
تو یاد رکھ کہ معذب ضرور تو ہو گا

یہی گناہ مرض بن کے دینگے ایذائیں
نہ وقت عذر نہ یارائے گفتگو ہو گا

یہی گناہ ہیں دل کو کثیف تر کر دیں
یہی بڑھے تو بستر مرگ کے زرد رو ہو گا

یہی بنینگے ترے حق میں عقرب و افعی   خود اپنی آگ میں خاک اے کمینہ خو ہوگا
فرشتے یعنی تو اتیرے وہ سعید ہیں جو   کبھی نہ اُن کو ترا پاسِ آبرو ہوگا
گماں یہی ہے کہ اک مدت طویل کے بعد   جو تو رہا بھی بصد شوق و آرزو ہوگا
انہیں نجوم میں ہیں بیشمار دنیائیں   پہونچکے تو وہیں آوارہ کو بکو ہوگا
یہ اسلیئے ہے کہ باقی کثافتیں مٹ جائیں   بغیر اس کے نہ انسان فرشتہ خو ہوگا
عجب نہیں ہے جو تبدیلیاں وہاں بھی ہوں   پس از زمانۂ بسیار پاک تو ہوگا
سمجھ نہ اسکو تناسخ - یہ وہ مسائل ہیں   کھلینگے اُسپہ جو عرفاں کا راز جو ہوگا
معاف کردے تجھے پہلے ہی - یہ ممکن ہے   کہ آخر اُس کا کرم بھی تو حیلہ جو ہوگا
کہے پکار کے وہ - آ گناہ گار مرے!   کروں جو عدل تو رسوائے خلق تو ہوگا
کرم مرا ہے وسیع - اسلیئے ترے حق میں   معین و یاورِ امید و آرزو ہوگا
نہ کانپ خوف سے - رہ مطمئن - مرے پیارے   ترا مقام بھی اب سے مقام ہو ہوگا
یہ سنکے اپنی خوشی کا ذرا کر اندازہ   کہ اپنے جامۂ تن میں نہ میں نہ تو ہوگا
جب اُس بہشت میں اے دوست ہوگا تو داخل   سرورِ محض کا مرکز جو مو بمو ہوگا
بلند ہونگے کہیں نغمہ ہائے خیل طیور   کہیں ہجوم حسیناں خوش گلو ہوگا
غرضکہ جتنے لذائذ ترے خیال میں ہیں   ہر ایک حاضر و موجود و پیش رو ہوگا
یہ استعارے ہیں سب - تاکہ تو سمجھ لے جلد   کہ چکھ چکا، متاثر ضرور تو ہوگا
غرض بہشت کی کیا خوبیاں بیان کروں   علی الخصوص مکیں جس مکاں میں تو ہوگا
جو اپنے شاد کو ڈھونڈوگے تم - تو وہ بھی ہیں   غزل سرا - کسی گوشہ میں - قبلہ رو ہوگا
ٹھہر ٹھہر کے بصد درد دُھن میں پیلو کی   غزل یہ وردِ لب اور پاک و باوضو ہوگا

غزل

ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رو ہوگا   نگاہ جسپہ ٹھہر جائیگی وہ تو ہوگا
میں اپنے ساقیِ مہوش کے ہاتھ کے قرباں   کہ جسمیں ساغرِ صہبائے مشکبو ہوگا

لہو شہیدوں کا رائگاں - معاذ اللہ
چمن میں پھول - تو پھولوں میں رنگ و بو ہوگا

محیطِ عشق کو ہم دیکھ کر یہ سمجھے تھے
بہت بہت ہوا گہرا تو تا گلو ہوگا

جو ہیں تلاش میں تیری - وہ نہیں یہ سمجھا دے
"جہاں یہ بند ہو رستہ" وہیں یہ تو ہوگا

محبت مے و مینا نہ حد سے جب بڑھ جائے
تو نام اس کا تعصب نہیں - غلو ہوگا

جو زیرِ تیغ رہے تیری یاد - وہ ہے نماز
جو آنسوؤں سے کیا جائے - وہ وضو ہوگا

درشت لفظوں سے توڑے ہر اک کا دل واعظ!!
وہ کوئی رند نہ ہوگا - ضرور تو ہوگا

پکارتا ہے یہ پیری میں اپنا جامۂ تن
ہزار ٹکڑے ہوں جسکے وہ کیا رفو ہوگا

شاد عظیم آبادی

قطعہ

فنا میں حاصلِ ہستی کا راز پنہاں ہے
اسی لیئے جو بنا صورتِ شرار بنا

زمانہ ایک ہی کروٹ پہ کسطرح دم لے
کہ قطرہ مضطرب و ذرہ بیقرار بنا

اجل کی دست درازی سے بچ نہیں سکتا
وہ جسم جو یدِ قدرت سے جاندار بنا

غرض بنا متزلزل ہے قصرِ ہستی کی
وہ لاکھ بار گرا بھی جو لاکھ بار بنا

ذرا بھی تجھ میں اگر ہمنشیں ہے عقلِ سلیم
کسی کے غم میں نہ اپنے کو سوگوار بنا

جو انتہائے محبت تجھے کرے بیچین
تو مرنے والے کی تو کوئی یادگار بنا

بقائے نام کی تدبیر کر بہر صورت
مجسمہ کی طرح ڈال یا مزار بنا

ٹپک رہی ہو مروت بھی جس سے شہرت بھی
شبیہ ایسی دل آویز و طرحدار بنا

کہیں یہ دیکھ کے تا آنے والی نسلیں بھی
مٹا کے آپ کو یہ فخر روزگار بنا

ذبیح وارثی

ہماری سوانح عمری

ادب میں ایک خاص شعبۂ انشاء ہے جسے "طنزیات" کہتے ہیں، اور جسے ہر زمانہ اور ملک میں ادبیات کا ضروری عنصر قرار دیا گیا ہے، اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مذاق کے پیرایہ میں بڑے بڑے اہم مسائل پر بحث ہو جاتی ہے اور لکھنے والا قانون کی زد سے علیحدہ رہ سکتا ہے، اُردو میں یہ رنگ تقریباً مفقود ہے اور اسکے لکھنے والے نظر نہیں آتے۔

ہم فاضل مضمون نگار کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس رنگ کا یہ مضمون لکھ کر اُردو میں ایک جدید طرز انشاء کی طرح ڈالی ہے، اور ملک کی سیاسی جماعتوں اور موجودہ تہذیب و تمدن کی ابلہ فریبیوں کو بے نقاب کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے اس مضمون کے آیندہ ابواب نہایت دلچسپ اور اپنے مطالب کے لحاظ سے بہت اہم ہیں امید ہے کہ ناظرین نگار غور سے مطالعہ فرمائیں گے۔ "اڈیٹر"

اب آپ ناک بھوں چڑھا کر یہ نہ کہیئے کہ چل دور ہو! تو کون کہ اپنی سوانح عمری خود لکھنے بیٹھا ہے؟ اس "پستہ قد، الکن، لاغر، اور کمرو،" کا جواب یہ ہے کہ قدر مردم بعد مردن، موت جب ہمارے منہ پر ہمیشہ کے لیئے نقاب ڈال دیگی اُسوقت اگر آپ نے ہم کو بے نقاب دیکھنا چاہا تو کیا کیجیئے گا، مایوسی میں یقینی یہی کیجیئے گا کہ فتحپوری ریوٹر کو ایک خط بھیج کر تفتیش حال کیجیئے گا۔ مگر اُس ریوٹر غریب کو یاران نجد کے سوا اور کسی کا بھید کیا معلوم۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ رسالۂ نگار کا باب "استفسار وجواب" بھی آپ کو کچھ جواب نہ دلیکے گا!

اور پھر ہم کو یہ بھی پوچھنا ہے کہ آپ نے کیا اُن حشرات الارض کو نہیں دیکھا جو آئے دن اپنے روزنامے دنیا کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں؟ جب جھینگر سلمہ اور مینڈک مدعمرہٗ کی خوش الحانیوں سے آج تک آپ بد دماغ نہ ہوئے تو اس "الکن ہزار داستان" نے کیا قصور کیا ہے؟

کلیم وقت ہیں ہم۔ طور معنی ہے مکاں اپنا
لقب لکنت کے باعث ہو گیا معجز بیاں اپنا

اچھا اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنی سوانح عمری شروع کریں تو کس سال سے شروع کریں تین برس کے سن سے؟

نہیں۔ یہ حماقت مبارک ہو انہیں ایڈیٹر صاحبہ کو جنہوں نے اپنے ماہانہ رسالہ میں اپنی سوانح عمری شروع کی تو ڈہائی برس کے سین سے۔ کاش ان سے کوئی پوچھتا کہ تم نے اپنی اماں جان سے اگر کہا تھا کہ تائے دم (چائے گرم ہے) تو انکی فصاحت پر تمہاری اماں جان کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کیوں وجد کرنے لگی؟ اسلیئے ہم ایک ہی جست میں تین سے اٹھارہ پر آتے ہیں کیونکہ اٹھارہویں سال نام خدا ہم نے انٹرنس کا امتحان دیا۔ دنیا جانتی ہے کہ عاشق کی بازی ہمیشہ مات ہوا کی ہی، ہم بھی کتابوں کے عاشق تھے اسلیئے ہماری بازی بھی مات ہوئی۔

اور قصور پوچھیئے تو ہمارا بھی وہی تھا جو مجنوں اور کوہکن کا۔ یعنی قسمت کی رسی بالکل کچا دھاگہ نکلی! کیوں نکلی؟ اسلیئے کہ سابقہ لوہار اور بنیئے سے تھا۔ یعنی سوالات اول سے آخر تک فولادی تھے اور ممتحن نے نمبر دینے میں ڈنڈی ماری فولاد کا جواب ہم پتھر سے نہ دیتے تو کیا کرتے؟ مگر ممتحن اسقدر عیار و دغا باز کہ وہی پتھر کھینچ کر ہم کو اس زور سے مارا کہ سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز گزٹ نکلا ہمارے مرنے کی خبر عام ہو گئی۔ مگر لوہار اور بنیئے کو کیا معلوم کہ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ "جہل"

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!!!

جہل کے معنی آب بقا اور جاہل کے معنی زندۂ جاوید۔ علم کے معنی مرض الموت اور عالم کے معنی لاش بے کفن عالم پیدا ہوتا ہی پامال ہونے کے لیئے اور جاہل پیدا ہوتا ہے سرفراز ہونے کے لیئے۔ اسی لیئے تجربہ کہتا ہے کہ بڑا بدنصیب تھا سقراط اور بڑا خوش نصیب تھا ابو جہل۔ اگر آپ اسکو محض ایشیائی شاعری سمجھتے ہوں تو نظر اٹھا کر ذرا اس تخت طاؤسی کو دیکھ لیجیئے جسپر بڑے بڑے خانہ ساز اور خود ساختہ حسان الہند، تاج الشعراء، سید الشعراء، مصدور ذلت، زبان القوم، دندان العصر، زہر الملک، جانشین زاغ، ابو المعانی سلمہ و مدظلہ، عرصہ سے مسند آرا ہیں! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اردو کے بہترین اخبار اور رسالے آجکل کس جان کندنی میں ہیں؟ بڑے بڑے خوددار ایڈیٹر انہیں خود ساختہ مصدوران ذلت اور جانشینان زاغ کے آگے مجبوراً سربسجود ہیں کیونکہ اسی سجدہ پر بخشش مضامین کا دارومدار ہے، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ دنیائے ادب میں جب سے اطفال مکتب کا نام سید الشعراء، ابو المعانی اور حسان الہند رکھا گیا ہی اسوقت سے عالم برزخ میں میر تقی میرزا غالب اور میر انیس کی روحیں لیلائے شاعری کی قبر پر ماتم کر رہی ہیں؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ زمانۂ حاضرہ میں دستار فضیلت و دستار جہالت ہم معنی الفاظ قرار پا چکے ہیں؟ ؎

بلبل کا نغمہ کوے کی ہو کاؤں کاؤں ایک
دہقان و قریہ ایک ہے اور شہر گاؤں ایک
ظاہر کی آنکھ والوں کو ہو دھوپ چھاؤں ایک
بھدانے کا لعاب مڑوڑے کی..... ایک
کھچڑی سی پک رہی ہے مرے دل کو تاؤ ہے
مونگے کا اور لونگ کا یاں ایک بھاؤ ہے

جب ہم نے دیکھا کہ بازار ہند میں مونگے کا اور مونگ کا ایک بھاؤ ہے اور تحقیل علم و تحصیل جہل میں کوئی امتیاز نہیں تو جہالت کے اسی تخت طاؤسی پر جہاں اور لوگ پہلے سے مسند آرا تھے ہم بھی بیدھڑک جا بیٹھے۔ یعنی انٹرنس کا گزٹ نکلتے ہی اپنے نام کے آگے ہم نے اف۔ آئی۔ ای۔ ای بڑھا دیا۔ دنیا ہم کو سمجھی کہ یہ جرمنی امریکہ یا انگلینڈ کے کسی زبردست سوسائٹی کا "فیلو" (fellow) ہو گا جبھی اپنے کو علانیہ F. I. E. E. لکھتا ہے۔ مگر دنیا کو کیا معلوم کہ ہمارے خانہ ساز خطاب کی تفسیر خود گزٹ میں موجود تھی۔ یعنی فیلڈ۔ ان۔ انٹرنس، اگزامینیشن (Failed in Entrance Exn.)

اس جدت پسندی کا پہلا معجزہ یہ تھا کہ ایک وکیل صاحب سے اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو دیکھتے ہی انہوں نے خوشامد شروع کر دی۔ فرمانے لگے کہ بھائی! ہم کو ایک محرر کی عرصہ سے تلاش ہے مگر آج تک کوئی آدمی نظروں میں نہ جچا کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر تم کو محرری قبول ہو تو عین نوازش ہوگی۔ ہم نے بھی اخلاقاً کہا کہ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے تب فرمانے لگے کہ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔ جب ہم نے یہ رنگ دیکھا تو فوراً محرری قبول کر لی۔ پہلے تو اتنی خوشامد کا مطلب سمجھ میں نہ آیا، مگر چند ہی دن میں یہ راز افشا ہو گیا کہ محرر وکیل دراصل نام ہے ہائیکورٹ کے سند یافتہ دلالوں اور کٹنوں کا۔ کٹنے، دلال اور محرر و وکیل تینوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ تینوں بلیاں آٹھ پہر چوہوں کی فکر میں سرگرداں رہتی ہیں، سنتے تھے کہ بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند۔ مگر محرر وکیل کو دیکھا تو پچھم پورب دکھن اتر، اوپر نیچے، دائیں بائیں، ریلوے اسٹیشن اسٹیم گھاٹ، عدالت فوجداری، میلہ ٹھیلہ، چوک بازار، ہر طرف اسی کا جال بچھا ہوا ہے، جہاں جاتا ہے اور جس سے ملتا ہے یہی کہتا ہے کہ اس شہر میں (خدا نظر بد سے بچائے) ہمارے وکیل کی ٹکر کا کوئی دوسرا وکیل نہیں، مردہ مقدمہ کو زندہ کر دینا انہیں کا کام ہے، حاکم کتنا ہی بددماغ ہو دو فقروں میں رام کر لیتے ہیں اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ عدالت فوجداری کے

کل حاکموں سے گویا یارانہ ہے۔ یقین ہو تو اپنا مقدمہ اُن کے ہاتھوں میں دیکر آزما دیکھو۔ اس قصیدہ کا سننے والا جب جال میں پھنس لیتا ہے تو ہائیکورٹ کا سند یافتہ دلال اُسکی رگ رگ سے خون چوسنا شروع کرتا ہے: "طلبانہ اتنا ہوا۔ گواہوں کو ٹھیک کرنے کے لیئے اتنا۔ پیشکار کی مٹھ بھری اتنی۔ محافظ دفتر صاحب کی تحریرانہ۔ میرا محنتانہ اتنا۔ پان اور قینچی مارکہ سگریٹ کے لیئے اتنا۔ وکیل صاحب کو آج خون کے مقدمہ میں دم لینے کی فرصت نہیں ہے اسلیئے آج کی فیس دوہری ہوئی......" الغرض صید کے بدن میں جب تک ایک قطرہ بھی خون ہے صیاد اسکو نہیں چھوڑتا۔ اور مدعی ہو یا مدعا علیہ اپنے اپنے محرر وکیل کے ہاتھوں دونوں نالاں ہیں۔

محرر وکیل صاحب کشف و کرامات بھی ہے یعنی دیکھنے میں تو وہ اپنے وکیل کا قانونی مصاحب و ملازم ہوتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ خود وکیل ہی اُس کا ملازم ہوتا ہے۔ وکیل کی روزی اُسی کے ہاتھوں میں ہے۔ محرر کی خاکساری تو یہ ہے کہ اپنے کو ملازم کہتا ہے اور کرامت یہ ہے کہ اپنے آقا سے ایک پیسہ نہیں پاتا بلکہ خود ہی جال میں پھانس کر مٹی سے سونا پیدا کرتا ہے اور آقا کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے - - - - - - ہم کو اس پیشہ سے اسقدر نفرت ہوئی کہ مشکل سے چھ مہینے گزرنے پائے تھے کہ ایک دن وکیل صاحب کو الوداع کہکر ہم اپنے گھر واپس آئے۔

۱۹۰۳ء میں ہمارا ستارہ چمکا، وہ یوں کہ سررشتہ دار صاحب کو تقریباً ایک سال تک جھک جھک کے سلام کرنے اور ڈالیاں بھیجنے کا پھل آخر ہم کو یہ ملا کہ کلکٹری میں کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی، ہماری عرضی پر سررشتہ دار صاحب نے سفارش یہ لکھی تھی کہ:- یہ امیدوار اگرچہ انٹرنس پاس نہیں، مگر نجیب الطرفین "منشی" ہے، سفارش کا یہ انداز اسقدر نرالا تھا کہ اور جتنے امیدوار تھے ناکام واپس گئے۔

اس تقرری کے دو ہی سال بعد ہم کلکٹر کے سایۂ سفر یعنی کانفیڈنشل ٹور کلرک (Confidential Tour Clerk) ہوگئے۔ یہ واقعہ مئی ۱۹۰۵ء کا ہے۔ اُسی ماہ میں مسٹر عیش نامی ایک چہار سالہ اسسٹنٹ مجسٹریٹ چھ ماہ کے لیئے کلکٹر ہوکر آئے، زیارت کی تو ہم سب لوگ اُنکی اداؤں پر مرمٹے۔ مرمٹنے کی خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ ڈسٹرکٹ سب رجسٹرار سلام کے لیئے گئے تو کلکٹر صاحب نے پوچھا کہ اس ضلع میں جبری راضی کے مقدمات سال میں کتنے ہوتے ہیں۔ رجسٹرار صاحب پہلے تو اس سوال پر چونکے مگر جب کلکٹر نے دوسرا سوال یہ کیا کہ تمھارے ہاتھ میں فوجداری کے اور کون کون محکمے ہیں تو رجسٹرار صاحب فوراً سمجھ گئے کہ صاحب بہادر ابھی نو گرفتار قفس ہیں۔ بہرکیف رجسٹرار صاحب کلکٹر کے بنگلہ سے واپس آئے تو شہر میں یہ خبر گشت کر گئی کہ مسٹر عیش کو آج تک یہ بھی نہیں معلوم کہ رجسٹری آفس اور لینڈ رجسٹریشن آفس میں کیا فرق ہے

تشریف آوری کے ایک ہی ہفتہ بعد مسٹر عیش سفر میں جانے والے تھے۔ ہم چونکہ سایۂ سفر تھے اسلیئے تاریخ سفر سے ایک دن پہلے ہی انتظام کے لیئے روانہ ہو گئے۔ دیہات پہونچتے ہی ہم نے وہاں کے ممتاز لوگوں کو طلب کیا اور کہا کہ کلکٹر صاحب کل یہاں آنے والے ہیں۔ معزز مہمان کے استقبال کے لیئے تم لوگوں نے آتشبازی، ہار، بینڈ، دعوت، اور استقبالیہ کمیٹی، کا انتظام نہ کیا تو اسمیں تمہیں لوگوں کی رسوائی ہوگی، فوراً پانچ سو روپیہ کا چندہ ہوا۔ اور چونکہ ہم سے بڑھکر کوئی دیانت دار اُس موضع میں موجود نہ تھا اسلیئے خزانچی ہمیں مقرر ہوئے جب یہ ہو چکا تو دوکانداروں سے ہم نے کہا کہ صاحب بہادر کے لیئے فلاں فلاں چیزوں کی ضرورت ہے۔ کلکٹر کا نام سنتے ہی دوکانداروں نے سب چیزیں مفت دیدیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چندہ کے روپئے میں سے صرف ۲۷ خرچ ہوئے اور باقی ۴۷۳ کی ہم کو بچت ہوئی۔

دوسرے دن یعنی ۱۲ مئی کی شام ہوئی تو استقبالیہ کمیٹی کو لیکر ہم گھاٹ پر پہونچے۔ کلکٹر صاحب اسٹیمر سے آنے والے تھے۔ اسٹیمر آیا تو ہم لوگوں نے دیکھا کہ صاحب فرسٹ کلاس سے اُتر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی ہم نے بینڈ اور آتشبازی شروع کرادی۔ صاحب اسٹیمر سے جب گھاٹ پر آئے تب یکایک معلوم ہوا کہ ارے یہ تو اسٹیمر کا ایجنٹ ہے!! ادھر تو کلکٹر کے نہ آنے سے ہمارا دل بیٹھا جا رہا تھا اور اُدھر اسٹیمر کا منحوس ایجنٹ بینڈ اور استقبالیہ کمیٹی کو دیکھ کر سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا استقبال اُسی کے لیئے ہے۔ جسوقت جھک جھک کر وہ ہم لوگوں کو سلام کر رہا تھا بے اختیار دل چاہا کہ اُسکا منھ نوچ لیں مگر خون جگر پیا اور باصد حسرت و یاس گھاٹ سے اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ دوسرے دن استقبالیہ کمیٹی کو لیکر ہم پھر گھاٹ پر پہونچے۔ دودھ کا جلا مٹھا پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اسلیئے ہم نے بھی گھور کر مسٹر عیش کو جب تک اچھی طرح پہچان نہ لیا۔ بینڈ اور آتشبازی کے لیئے اشارہ نہ کیا۔ اسکے بعد صاحب جب نزدیک آئے تو ممبران استقبالیہ کمیٹی کا تعارف کرایا اور پھر اُن کو ایک جگمگاتے شامیانہ میں لے گئے وہاں ایڈریس پڑھوایا۔ ان کارگزاریوں کا نقش مسٹر عیش کے دل پر ایسا بیٹھا کہ پھر مٹائے نہ مٹا، یہاں تک کہ علانیہ انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ سوجھ اسکو کہتے ہیں۔ ۴۷۳ روپے ہمارے بکس میں اور عنقا صفت کلکٹر ہمیشہ کے لیئے ہمارے دام میں! یہی نسخہ ہم نے ہر سفر میں استعمال کیا اور چھ ماہ کے اندر پانچ ہزار سے زیادہ کا نفع حاصل کیا ہم جانتے ہیں کہ سگ حضور یہ از برادر دور۔ نفع کا موقع ہم کو اوروں سے زیادہ تھا۔ مگر کلکٹری کے اور عملے بھی عمل سفلی میں ہم سے پیچھے نہ تھے۔ دست غیب کا فیض عام تھا نہ کہ خاص۔ صاحب بہادر کی عادت تھی کہ مقدمہ آج ختم ہوا تو فیصلہ ہفتوں کے بعد سناتے۔ اس درمیان میں پیشکار اور چپراسی فریقین سے

یہ کہکر روپیہ وصول کرتے تھے کہ ہم صاحب سے تمہارے لیئے کہہ دینگے۔ صاحب بالکل عملوں کے ہاتھ میں تھے عملوں نے جو کہا صاحب نے آنکھ بند کرکے صاد کر دیا، بیسیوں کاغذات رائے زنی کے لیئے ہر روز آتے اور جو جتنا دیتا تھا عملے اُسی کے موافق رائے دیتے تھے اور انہیں عملوں کی ذاتی رائے کلکٹر صاحب کے دستخط سے گورنمنٹ میں پیش ہوا کرتی، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چھ ماہ تک محکمۂ کلکٹری میں گھی کے چراغ جلا کیئے۔ آخر وہ منحوس دن آیا کہ مسٹر عیش کی تبدیلی ہوگئی اور ہم لوگ یتیم ہو گئے۔ اپنی یتیمی پر ہم لوگ ابھی رو رہے تھے کہ مسٹر مدن نے کلکٹری کی ستم ظریفیوں نے ہم لوگوں کو ذبح کر دیا۔

گیرم کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من!

دانستہ دشنہ تیز نہ کردن۔ گناہ کیست؟

اس دوزخی نے آکر ساری کلکٹری میں ماتم کرا دیا۔ مقدمہ ابھی ختم ہوا اور ایک گھنٹہ کے اندر فیصلہ موجود! رائے زنی کے لیئے جو کاغذ آتا بغیر کسی سے پوچھے گچھے اپنی رائے لکھ کر بالا بالا گورنمنٹ کو بھیج دیتا، اور وکیل سرکار، سررشتہ دار، اور دیگر عملے ہونٹ چبا کر رہ جاتے۔ اُس پاگل کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ جو کاغذ آئے زیادہ سے زیادہ ۲۴ گھنٹے کے اندر پیش کر دیا جائے، اس حکم نے ہم لوگوں کو اور بھی بدحواس کر دیا، کاغذات کی پیشی میں جسقدر تاخیر کی جائے اُسی قدر دست غیب کی راہیں کھلتی ہیں، جب تاخیر نہیں تو روپیہ کیسا؟ اُسپر طرہ یہ کہ کاغذ جب سامنے جاتا تو گھنٹوں تک اُسکی زیارت کرتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اسقدر موشگافی کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دو سکنڈ میں دستخط کرکے کاغذ پھینک دیا جا سکتا تھا، مگر نہیں۔ پھینک دیا جاتا تو پھر ماہی بیتاب کی طرح کون تڑپتا، اسکو تو تڑپانا اور جلانا منظور تھا اسلیئے جو کاغذ سامنے جاتا اس شوق سے پڑھتا گویا معشوق کا خط ہے، اور ظاہر ہے کہ نامۂ معشوق وہ چیز ہوتی ہے کہ سَو مرتبہ پڑھنے سے بھی تشفی نہیں ہوتی۔ الغرض مسٹر مدن کی ذات وہ ذات تھی کہ ہر روز کلکٹری میں ایک نہ ایک زلزلہ آتا۔

مسٹر مدن ایک مرتبہ سفر کو گئے۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ ایک دیہات میں تین دن قیام کرکے ہم لوگ روانہ ہو ہی رہے تھے کہ قیامت آگئی۔ اس مرتبہ قیامت آدم زاد بھیس میں آئی، یعنی ایک آدمی آیا اور صاحب کے پاؤں پر گر کر فریاد کرنے لگا کہ "حضور! ہم گاڑی بان ہیں۔ سرکار کی چیزیں جو بیل گاڑیوں پر آئی ہیں اُس کا کرایہ ہم ہرگز نہیں مانگتے مگر حضور کی میم صاحبہ کو اتنی دور سے پرسوں لائے تھے اور آج پھر پہنچا رہے ہیں، تو کچھ ملنا چاہیئے!" میم صاحبہ کا نام سنکر مسٹر مدن بہوت ہو گئے کیونکہ وہ تنہا آئے تھے، گاڑی بان کی فریاد سنکر صاحب ہماری طرف

متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ واقعہ کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ حضور! ہم کو کیا معلوم۔ مگر ؎

نکتہ چیں ہو۔ غم دل اُس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

ہم نے لاکھ پردہ ڈالا مگر مسٹر مدن کو معلوم ہوگیا کہ اُن کا چپراسی اپنی داشتہ کو ہر سفر میں ساتھ لیئے پھرتا تھا اور گاڑی بان جب کرایہ مانگتا تو جھڑک دیتا تھا کہ چپ رہ! یہ کلکٹر صاحب بہادر کی میم صاحبہ ہیں!! مسٹر مدن کو تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چپراسی کی اس جرأت میں ہماری سازش تھی۔ چپراسی تو گاڑی بان کی صورت دیکھتے ہی روپوش ہو چکا تھا۔ اب ہم تھے اور سر پر ننگی تلوار تھی۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور ہم اُسمیں سما جائیں مگر موت مانگنے سے کب ملتی ہے؟

(باقی)

راقم ؎

جام جہاں نما ہے یہی جم کی تھی غرض
تارہ نہ جائے حسرتِ دیدارِ بلگرام!

آپ کے فائدہ کی بات

اگر آپ کا چندہ آیندہ دسمبر میں ختم ہو رہا ہے اور آپ نگار کی خریداری بدستور قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لیئے بہترین صورت یہ ہے کہ نومبر کے اندر کسی تاریخ میں سالانہ چندہ ذریعہ منی آرڈر ہمارے پاس بھیجدیجیئے، کیونکہ اسطرح آپ کو

شہاب کی سرگزشت

جسکی قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ ہے، معہ محصول صرف ۱۲؍ میں ملجائیگی۔ یعنی اگر آپ نے اخیر نومبر تک ۳؍ کا منی آرڈر بھیجدیا تو علاوہ ایک سال تک نگار کا مطالعہ کرنے کے شہاب کی سرگزشت بھی آپ کو ۱۲؍ میں ملجائیگی۔ کیونکہ ہم اسکو ذریعہ رجسٹری آپ کے پاس بھیجیں گے جسمیں ۱۲؍ صرف ہو جائیں گے۔

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ نومبر کے بعد آپ اس رعایت کے مستحق نہ ہونگے۔

منیجر نگار۔ بھوپال

لنکا کا موتی

جزیرہ لنکا کے شمالی غربی ساحل پر پہونچ گئے تو معلوم ہوگا کہ یہ حصۂ زمین کسقدر وحشتناک اور غیر آباد ہے، ایک نشیبی ساحل - سرخ بھورے رنگ کی ریت کا وسیع میدان، خاردار اور خطرناک جنگل - یہ حالت ہے اس قطعۂ زمین کی جسے موتیوں کی شکارگاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

سال کے اکثر حصہ میں سمندر کی طوفانی موجیں یہاں سر ٹکرایا کرتی ہیں، اور ایک خاص زمانہ میں جہاز بمشکل یہاں تک آسکتا ہے۔ سیکڑوں مربع میل کی وسعت میں جنگل پھیلا ہوا ہے، جہاں زراعت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا - اور جنگلی ہاتھی، چیتے، ہرن، اور شور ہر وقت پھرتے رہتے ہیں - یہی وہ مقام ہے جہاں ہر سال موتیوں کے شائق ہزار اندر ہزار جمع ہو کر چند دنوں کے واسطے عجیب وغریب ہنگامہ بپا کر دیتے ہیں۔

فصل شروع ہونے سے چند ہفتے قبل چند کشتیاں مزدوروں کی اس ساحل پر آتی ہیں اور ایک عارضی شہر کے عارضی تعمیر کا کام شروع ہو جاتا ہے - زمین صاف کرکے اونچے اونچے مضبوط ستون لکڑی کے قائم کیے جاتے ہیں کھجور کی پتیوں سے جھونپڑے طیار ہونے شروع ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شہر، جسمیں چوڑی چوڑی سڑکیں، منڈیاں بازار، دوکانیں، عدالتیں، افسران کی اقامت گاہیں ہوتی ہیں طیار ہو جاتا ہے اور کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہے،

وہی مقام جو پہلے وحشت و درندگی کا مرکز تھا، اب انسانی آبادی سے معمور ہو جاتا ہے - مزدور، ملاح، غوطہ خور، تاجر، عمال چالیس پچاس ہزار کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور سیکڑوں کشتیاں سمندر میں نظر آنے لگتی ہیں۔

ابتدا ء سال میں موتی نکالنے کے حدود جھنڈیوں کے ذریعہ سے متعین کر دیئے جاتے ہیں - اور ایک مقررہ دن پر سیپیوں کا شکار شروع ہو جاتا ہے۔

اسکی ابتداء یوں ہوتی ہے کہ آدھی رات کو جب ہوا موافق ہوتی ہے تو کئی سو کشتیاں جنمیں سے ہر ایک میں ساٹھ آدمی ہوتے ہیں، بادبان کھول کر روانہ ہو جاتی ہیں اور سہ پہر کو جب ساحل کی طرف کی ہوا ہوتی ہے واپس آتی ہیں - کشتیاں بارہ پندرہ میل تک سمندر میں چلی جاتی ہیں اور حدود مقررہ کے اندر پہونچکر اپنا کام شروع کر دیتی ہیں غوطہ خور اپنے اپنے سینوں میں بھاری پتھر باندھ کر غوطہ لگاتے ہیں اور جلدی جلدی تھیلی میں سیپیاں چن کر

رکھنے کے بعد اسکو جنبش دیکر اشارہ کرتے ہیں تاکہ انہیں اوپر آنے میں رسی کھینچکر امداد دیجائے، سطح آب پر نمایاں ہونے کے بعد یہ تازہ ہوا حاصل کرنے کے بعد پھر غوطہ لگاتے ہیں اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے یہ لوگ پچاس سکنڈ سے زیادہ پانی کے اندر نہیں رہ سکتے۔ لیکن بعض عرب غوطہ خور، ۹۰ سکنڈ تک اندر رہ سکتے ہیں۔ یہ عمل تقریباً چھ گھنٹے تک جاری رہتا ہو اور دوپہر کے بعد تمام کشتیاں تمام جمع کی ہوئی سیپیوں کو بار کیئے ہوئے ساحل پر واپس آتی ہیں۔

کشتیوں سے نکالنے کے بعد سیپیاں بوروں میں بھر دی جاتی ہیں، اور ایک ثلث حصہ بطور مزدوری، غوطہ خوروں کو دیدیا جاتا ہے۔ روزانہ ۵۰ لاکھ سیپیوں کا اوسط ہوتا ہو۔ جب شمار ہو جاتا ہے تو خریداروں کی جماعت آجاتی ہو اور فروخت شروع ہوتی ہے۔

نیلام کرنے والا ساحل کا نام اور سیپیوں کی تعداد ظاہر کرتا ہو اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتا ہو کہ اس مقام کی سیپیوں میں سے فی صد موتی نکلنے کا کیا اوسط ہے۔

ایک کھلی ہوئی جگہ میں مختصر سی عمارت جسکی چھت کھجور کے پتوں کی ہوتی ہو اور جو چاروں طرف سے ہوا کے لیئے کھلی ہوتی ہے، نیلام گھر ہے اور یہاں ہر ملک و قوم کے سوداگر نظر آتے ہیں۔ نیلام فی ہزار سیپی کے حساب سے شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ بولی بڑھنے لگتی ہے اور قسمت آزمائی کی ابتدا ہو جاتی ہو۔

سیپیوں کی خریداری حقیقتاً ایک طرح کی قمار بازی ہے کیونکہ ایک شخص نوے روپیہ فی ہزار خریدنے کے بعد بھی نقصان اٹھا سکتا ہے اور دوسرا سیپ ایک روپیہ ادا کرنے کے بعد بھی دولت مند ہو جاتا ہو الغرض ہر سیپ لاٹری کا ایک ٹکٹ ہو۔ جس کے لینے کے لیئے لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور آدھ گھنٹہ کے اندر لاکھوں سیپیاں ٹھکانے لگجاتی ہیں۔

سیپیوں کے نیلام کے بعد جو کام سب سے زیادہ اہم اور سخت ہو، وہ ان کے اندر سے موتی نکالنا ہے، اگر ہزار دو ہزار یا لاکھ دو لاکھ ہوں تو بھی زیادہ دشوار نہیں لیکن آٹھ آٹھ کروڑ سیپیوں کو سڑا کر گلانا، ہزاروں مزدوروں کی نگرانی کرنا کہ وہ چوری نہ کرسکیں آسان کام نہیں ہو۔

جسوقت غوطہ خوروں کو مزدوری میں ایک ثلث حصہ سیپیوں کا ملتا ہو تو سوداگر فوراً انہیں خرید لیتے ہیں اور کھول کر دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر سے موتی نکلنے کا کیا اوسط ہو اور پھر اسی اوسط کو پیش نظر رکھ کر وہ مخصوص ساحلوں کی سیپیوں کو خریدتے ہیں۔

یہاں قمار بازی کا ایسا شدید جنون سر پر سوار ہوتا ہو کہ بسا اوقات سیپیوں کی قیمت اُن موتیوں کی

قیمت سے کوئی دُر بے بہا ہات آجائے۔ اچھے ساحل کی ہر دس سیپیوں سے میں ایک سیپ کے اندر سے ضرور موتی نکلتا ہی خواہ وہ ذرہ کے برابر کیوں نہ ہو اور ہر دس موتیوں میں ایک اپنے رنگ، قامت اور گولائی کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہوتا ہی کہ اسکی کچھ قیمت ہو لیکن ایسے موتی کہ پورا نفع دیجائیں بہت کم نکلتے ہیں۔

جب تک یہ شکار جاری رہتا ہی، لوگ جوق درجوق کھنچے چلے آتے ہیں اور اُن کا شوق بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ لڑکے بھی اس خبط میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور جدھر دیکھو جاقو سے سیپیاں کھولتے نظر آتے ہیں۔

بعض لوگوں کو نہایت قیمتی موتی بھی مل جاتے ہیں لیکن نظر کبھی نہیں آتے۔ کیونکہ جسکو ایسا موتی مل جاتا ہے وہ اُسے چھپالیتا ہے تاکہ اس ساحل کی سیپیوں کی قیمت نہ بڑھجائے اور اسکو جوڑ کا دوسرا موتی مل جائے کہ اس صورت میں قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اسلیئے یہ اندازہ کرنا کہ ہر سال کس قیمت کے موتی یہاں سے باہر کو جاتے ہیں دشوار ہے۔

سیپیاں نیلام ہونے کے بعد دھوپ میں ڈھیر کردیجاتی ہیں جہاں وہ چند گھنٹوں کے بعد مرجاتی ہیں اور سڑنا شروع ہوتی ہیں اسکے بعد کروروں مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہی اور بدبو پھیلنے لگتی ہے۔ چند دن میں یہ عفونت اسقدر شدید ہوجاتی ہے کہ میلوں تک ہوا خراب ہوجاتی ہے اور ناک نہیں دیجاتی۔ جوں جوں سیپیوں کا شکار بڑھتا جاتا ہی، مکھیوں کی تعداد اور عفونت کی سختی بڑھتی جاتی ہے اور وہ سارا قطعۂ زمین انسانی سکونت وقیام کے ناقابل ہوجاتا ہی۔

جب سیپیاں بالکل سڑجاتی ہیں تو بڑے بڑے مٹ میں ان کو پانی کے اندر ڈال کر پانوں سے روندتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا سڑا ہوا گوشت بالکل پس جاتا ہے، جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان کو بلا اجازت ہات باہر نکالنے کی ممانعت ہی۔ روندنے کے درمیان میں جتنے موتی اُن کو ملتے ہیں وہ مالک کو دیتے جاتے ہیں۔ روندنے کے بعد سڑا ہوا گوشت خشک کیا جاتا ہے اور پھر اسمیں موتی کی جستجو کی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی اچھے موتی مل جاتے ہیں۔

یہ شکار ۲۰ فروری سے شروع ہوتا ہی اور ۵-۶ ہفتہ کے بعد جب برساتی ہوا چلنے لگتی ہے ختم ہوجاتا ہے، لوگ واپس آجاتے ہیں اور یہ مقام پھر اسی طرح ویران ہوجاتا ہی۔

لنکا میں یہ شکار کب سے رائج ہے اسکی کوئی صحیح تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی کیونکہ ۵۰۰ سال قبل مسیح آریہ فاتحین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لنکا سے موتی ہندوستان کھینچے جاتے تھے۔ گزشتہ

دو ہزار سال کے اندر چین سے لیکر بحر روم تک اس شکار کا رواج پایا جاتا ہے، جب لنکا پرتگالیوں کے قبضہ میں آیا تو اُسوقت بھی یہ عمل بدستور رائج رہا۔ جب ڈچ قابض ہوئے تو انہوں نے بھی اسکو جاری رکھا جیسا کہ اُن کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے اور عہد برطانیہ میں یہ دستور قائم رہا اور ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی محسوس کی جاتی ہے کہ ہر سال اسمیں کمی ہوتی جاتی ہے۔

ڈچ کے زمانہ میں سب سے پہلے ۱۶۶۳ء میں اسکی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد ۱۶۶۹ء میں اور پھر ۲۲ سال بعد ۱۶۹۱ء میں۔ ۱۷۰۶ء میں یہ شکار بالکل ناکامیاب ثابت ہوا، اور یہ ناکامی اسقدر شدت سے محسوس کی گئی کہ ۱۶۶۶ء سے لیکر ۱۹۰۴ء تک (۲۳۸ سال کے زمانہ میں) صرف ۸۴ مرتبہ کوشش کی گئی۔ ۱۸۳۸ء سے لیکر ۱۹۰۴ء تک پہلے سولہ سالوں میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اسکے بعد ۲۹ سال تک شکار ہی نہیں ہوا۔

اس دوران میں کل آمدنی ۷۶۵۰۰ پونڈ ہوئی، یعنی ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ سالانہ اور اس کمی کو محسوس کر کے حکومت لنکا نے اسکو ٹھیکہ پر دیدیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اس شکار میں کیوں کامیابی نہیں ہوتی اور سیپیاں کہاں چلی جاتی ہیں۔ کچھ عرصہ سے بحری ماہرین علم الحیات اس جستجو میں مبتلا ہیں، ہر سال ساحل اور رقبہ شکار کی باقاعدہ پیمائش کیجاتی ہے اور سیپیاں شمار کی جاتی ہیں۔ لیکن اسوقت تک جو اسباب کمی کے دریافت ہوئے ہیں ان میں ایک سبب تو یہ ہے کہ سیپیاں اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہیں اور دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ طوفان ان کو بہا لیجاتا ہے اور ریگ کے نیچے دفن کر دیتا ہے جہاں وہ مر جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ یہ بھی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بعض مچھلیاں ان کو نگل جاتی ہیں، بہر حال اگر اسباب صرف یہی ہیں تو ان کا علاج ناممکن نہیں ہے اور اگر سمندر کی تہ میں جہاں سیپیاں رہتی ہیں پتھر کے ٹکڑے پھیلا دیے جائیں تو طوفان اور مچھلیوں کا خطرہ بہت کم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کا تجربہ ہو رہا ہے اور کامیابی بھی ہو رہی ہے۔

چونکہ ساڑھے تین سال سے لیکر ساڑھے چار سال تک کی سیپ عمدہ موتی پیدا کر سکتی ہے، اسلیئے کوشش کی جا رہی ہے کہ اس سے کم عمر کی سیپی کا شکار نہ کیا جائے۔ اور باقاعدہ ان کی حفاظت کی جائے۔ اگر ان تمام تدابیر میں کامیابی ہو گئی تو یقیناً ایک زمانہ وہ آئیگا جب لنکا کے گہر پرور ساحل پھر اپنی دیرینہ روایات کو زندہ کر سکیں گے اور تاجروں کی یہ قماربازی خسارہ کا باعث نہ ہوگی۔

(م - ن)

زہرہ کا ایک پجاری

یونان کے اُس عہد حسن و عشق میں، جب وہاں کا ذرہ ذرہ، خردہ مینا کا حکم رکھتا تھا، یوں تو ہمیشہ، ہر روز، محبت کا دیوتا ایک نہ ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوا کرتا تھا، اور کوئی لمحہ ایسا نہ ہوتا تھا جو پرستشِ حسن کے نقوش سے خالی گزر جاتا ہو، لیکن دنیا اور دنیا کی تاریخ یقیناً اس ساعت کی یاد کو محو نہیں کر سکتی جب اتھینس کے ایک غریب کسان کے گھر میں دوشیزہ کی صورت میں کیوپڈ نے جنم لیا،

صبح کا وقت تھا، بہار کی خنک ہوا عطریاتِ صحرا سے لبریز آہستہ آہستہ چل رہی تھی، آفتاب کی گرم و نرم شعاعیں شبنم کے قطروں میں جگمگاہٹ پیدا کر کے، درختوں کو بادلہ کا لباس پہنا رہی تھیں اور چڑیاں اپنے نغمہ ہائے رنگا رنگ سے فضا کے سکوت میں موسیقی کی غیر مرئی امواج پیدا کر رہی تھیں کہ زہرہ کا معبد جو بلند پہاڑی پر ایک نہر کے کنارے پھولوں کے کنج میں قائم تھا، کھلا اور وہاں کی کنواریوں نے اپنے دف لے لیکر گانا اور مندر کا طواف کرنا شروع کیا، یہ گویا اعلان تھا اہل شہر و بادیہ کے لیئے کہ زہرہ دیوی خواب سے بیدار ہو چکی ہے اور پجاریوں کی نذریں قبول کرنے کے لیئے اسکے حریم مقدس کا دروازہ کھولدیا گیا ہے۔

اس اعلان کے بعد لوگ جلدی جلدی ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے اس طرف دوڑ پڑتے تھے اور اسطرح صبح سے لیکر شام تک گویا وہاں میلا سا لگا رہتا تھا اور کوئی کنج ایسا نہ رہ جاتا تھا، جو عشق کی فتادگیوں اور حسن کی بے نیازیوں کی داستان سے معمور نہ ہو جاتا ہو۔ پھر چونکہ شاہ و گدا، امیر و غریب، سب اس دربار میں برابر تھے، اسلیئے عشق و محبت نے بھی یہاں اس امتیاز کو مٹا دیا تھا، اور اگر کسی گوشہ میں کوئی کسان کا لڑکا امیر کی بیٹی کے سامنے اپنے التجائے محبت پیش کرتا ہوا نظر آتا تھا تو دوسرے گوشہ میں ایک رئیس کا بیٹا کسی غریب مزدور کی لڑکی کے سامنے اپنے ہدایائے عشق پیش کرنے میں تامل نہ کرتا تھا۔

دن کے دس بج چکے تھے، ہنگامہ شباب پر تھا، موسیقی سے سارا صحرا گونج رہا تھا۔ پھولوں کی کثرت سے معبد کا راستہ ڈھک گیا تھا اور دوپہر کے لیئے معبد کا دروازہ بند ہونے ہی والا تھا کہ سردخا کا باپ معہ اپنی بیوی کے نوزائیدہ بچہ کو آغوش میں لیئے ہوئے آیا، اور زہرہ کے بت کے آگے ڈال کر سر بسجود ہو گیا،

اُسکی بیوی نے بھی سر جھکا دیا اور حد درجہ جذبۂ احترام کے ساتھ یہ نذر انسانی پیش کرتے ہوئے بولی کہ :-

"اے دیوی، اے آسمان و زمین کی ملکہ، میں آج تیرے لیئے وہی چیز نذر کے لیئے لائی ہوں جو تیرے ہی لطف و کرم سے ہمیں ملی تھی، تو واقف ہے اور تو نہ واقف ہوگی تو پھر کون ہو سکتا ہے۔ کہ میری زندگی اسوقت تک سخت نامرادی نہ بسر ہوئی ہے اور باوجودیکہ تو نے ہمیشہ میری التجاؤں کو سنکر انہیں بار آور کیا اور ہر مرتبہ میری آغوش کو آباد، لیکن میری بدبختی کہ ہر مرتبہ میری گود اُجڑی اور میں صبر کرکے خاموش بیٹھ گئی، تجھ سے میں نے کبھی نہیں کہا کہ شکایت ہوگی، اور مالک کی شکایت کرنا میرا ایمان نہیں، لیکن جب دل اجڑ جاتا ہو تو منہ سے فریاد نکل ہی جاتی ہے، بار بار کی ویرانی نے مجھے دیوانہ بنادیا اور آخر کار میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوئی کہ شاید تجھے ایک غریب کسان کے حال پر رحم کرنے کی فرصت نہیں۔ مجھے اختیار ہے جو مزاجی میں آئے میرے لیئے تجویز کردے، لیکن تجھ سے کہوں گی تو جھوٹ نہ بولونگی۔ یہ خلش ضرور میرے دل میں تھی کہ پھر پانچویں مرتبہ میری امید نے صورت اختیار کی اور وہ صورت یہی ہے جو تیرے قدموں میں پڑی ہوئی ہے، پھر چونکہ اب امید کو بلند کرنے کی ہمت دل میں نہیں ہے اسلیئے میں تیری امانت تیرے ہی پاس لائی ہوں کہ تو ہی اسکی پرورش کر، اور تو ہی اسکو اپنی غلامی میں قبول کرکے مستقبل کے اندیشہ سے مجھے آزاد کردے"

یہ کہکر سر دخا کی ماں نے بچہ کو گود میں لے لیا اور سات مرتبہ بُت کا طواف کرکے اس قربانگاہ پر اسکو رکھدیا جسکے چاروں طرف عوددان سے اب بھی بخور کی خوشبو بلند ہو رہی تھی۔

معبد زہرہ میں یہ رسم جاری تھی کہ جب کوئی بچہ اسطرح پیش ہوتا تو وہیں کی کنواریوں کے سپرد کردیا جاتا، اور اسکی پرورش کرنا ان کا فرض ہوجاتا۔ چنانچہ کم و بیش دس بارہ بچے ہر وقت خانقاہ میں رہتے تھے اور ان کے مصارف کے لیئے حکومت سے روزینہ مقرر ہوتا تھا، جو باقاعدہ ادا ہوتا رہتا تھا۔

جس وقت سر دخا کی ماں قربانگاہ پر ڈالکر با چشم نمناک باہر نکلی تو وہاں ایک پوجاری عورت جو خانقاہ کی مہتممہ تھی آئی اور زہرہ کے قدموں سے صندل لیکر اس کے جسم پر ملا، اور وہاں کی کنواریوں میں سے ایک کا انتخاب کرکے بچہ اسکے سپرد کیا اور بولی کہ وہ بچہ اسقدر حسین نہ ہوتا تو تمہارا انتخاب میں نہ کرتی اسلیئے اسکی نگہداشت حقیقتاً تمہاری اپنے حسن کی نگہداشت ہے، جاؤ لیجاؤ اور دیوی کے اس عطیہ کی عزت کرو"

(۲)

گزشتہ واقعہ کو ۱۸ سال کا زمانہ گزر گیا ہے، اور اس عرصہ میں معبد زہرہ میں خدا جانے کتنے بچوں کی نذریں

پیش کی گئیں اور ان میں سے خدا معلوم کتنے فنا ہوگئے، لیکن سورخا جب سے آیا تھا اسوقت سے لیکر ۱۸ سال کی عمر تک اس کے طبعی نشوونما میں کوئی چیز حائل نہیں ہوئی، اور وہ زہرہ کے فرح بخش معبد کے حدود، اس کے عشق نواز صحرا اور حسن پرور کنجوں میں بڑھتا رہا، گویا کہ وہ جنگلی گلاب کا پھول تھا۔

قاعدہ تھا کہ معبد کے نذر شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کو سوائے گانے اور نے نوازی کے اور کسی چیز کی تعلیم نہ دیجاتی تھی چنانچہ وہاں کے ماہرین موسیقی نے اسکو بھی یہی سکھایا اور اس درجہ تکمیل کے ساتھ کہ اُن کے پاس کوئی نیا راگ سورخا کی تعلیم کے لیئے باقی نہ رہگیا، وہ فطرت کی طرف سے ایسا صحیح ذوق موسیقی کا لایا تھا، کہ چند سال میں اسنے سارا نصاب نغمہ ختم کرلیا، اور خود اسمیں ایسی ایسی اختراعیں کرنے لگا کہ بعض اوقات اساتذۂ فن اسکی ذہانت کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے، لیکن اس سے بھی زیادہ قابل قدر چیز جسکو اسنے بغیر کسی کی ہدایت کے خود فطرت کی مدد سے حاصل کیا تھا اس کا ذوق شعری تھا۔ وہ گھنٹوں کنجوں کے اندر تنہا بیٹھا رہتا، کسی فکر میں مستغرق کسی خیال میں منہمک اور جب باہر نکلتا تو اس کے چہرہ پر خاص چمک ہوتی، آنکھوں میں عجیب وغریب روشنی ہوتی۔ رفتار میں ایک مخصوص مستانہ پن ہوتا۔ وہ دل ہی دل میں بے خبرانہ انداز سے پہروں اپنے بنائے ہوئے شعر گن گنایا کرتا، اور جب رات کو وہ اپنی بانسری کے ساتھ معبد زہرہ کے سامنے اُن کو گاتا، اپنے زائیدۂ روح کو الفاظ کے ملبوس اور موسیقی کے لباس میں پیش کرتا تو ہر سننے والا اپنی جگہ کانپ کانپ جاتا اور ایسا محسوس کرتا کہ شاید دیوی زہرہ اب جنبش کرنے ہی والی ہے۔

رفتہ رفتہ سورخا کے اس کمال کی شہرت گھر گھر پھیل گئی اور چند دن میں یہ عالم ہوگیا کہ شہر ایفسس کی ہر لڑکی اسکے گانے پر دم دینے لگی۔ اور معبد میں اسقدر ہجوم ہونے لگا کہ مشکل سے پہاڑی کے دامن میں زائرین کی جماعتیں سما سکتی تھیں۔ سورخا کے وہ بڑے بڑے بال جو اس کی خوبصورت مرمریں گردن پر بے شمار حلقوں اور نرم نرم چھلیوں کی صورت میں پڑے رہتے تھے، اس کا وہ صحیح و توانا جسم جس کے اندر شباب نے اپنا مخصوص رنگ بھر کر کیسے کیسے ہنگامے رنگیں بنا دیا تھا۔ اس کا وہ حسین نقشہ جسکی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں کے اندر سے زہرہ ہر وقت افسوں کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا وہ متناسب الاعضا قامت جس کے ہر ہر عضو سے بہار کی شگفتگی و نرمی کا مفہوم پیدا ہوتا تھا اور اسکی وہ سنجیدگی و متانت جو ہر ایک سر کو اپنے سامنے جھک جانے پر مجبور کردیتی تھی یہ تمام باتیں بجائے خود اسمیں اسقدر تکمیل کے ساتھ پائی جاتی ہیں کہ اگر ان میں کسی اور چیز کی اضافہ نہ ہوتا، تو بھی وہ طبقۂ لطیف کے ایک ایک فرد سے اپنی پرستش کرا سکتا تھا، لیکن اسکی شاعری و موسیقی نے تو اس سے

اندر اس بلا کی کشش پیدا کر دی تھی کہ اس کے سامنے پہونچکر اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا تھا، اور ایتھنس کی لڑکیاں باوجودیکہ ان کا نشو و نما حسن و عشق ہی کے سایہ میں ہوتا ہے، حیران تھیں کہ سارو خا کے ساتھ جذبۂ محبت کیونکر وابستہ ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کی کوئی شیفتگی اس کے کمالات کا جواب ہو ہی نہیں سکتی۔

اول اول تو سارو خا نے انتہائی معصومیت سے یہ سمجھا ہی نہیں کہ وہ ایتھنس کے لیئے مرکز کشش ہو گیا ہے۔ علی الخصوص عورتوں کے لیئے جو نہایت حریصانہ آمادگی کے ساتھ اسکو دیکھنے اور سننے کے لیئے جمع ہو جاتی تھیں، لیکن ایک رات جب کہ وہ مندر کے اندر بے انتہا ہجوم میں اپنے کہے ہوئے یہ شعر گا رہا تھا:۔

"اے ملکہ، میں تجھے کیسے پوجوں، اپنے جذبۂ پرستاری کی آگ کو کیونکر ٹھنڈا کروں۔ جب جنگل کی خاردار جھاڑیوں میں کسی کانٹے سے چبھ کر میرے جسم پر خون کا کوئی قطرہ نظر آجاتا ہے، تو میں کانپ اٹھتا ہوں کہ وہ چیز جسکو تیرے کام آنا چاہیئے تھا یوں بیکار ضائع ہو گئی، پھر اے تو وہ کہ تیرے قدموں میں تڑپ تڑپ کر جان دیدینا، ایک مکمل نشاط زندگی ہے، کیوں نہیں اپنی امانت مجھ سے لے لیتی، کہ اب اس کے بار سے میرا سینہ شق ہوا جاتا ہے"

تو چند نوجوان لڑکیوں نے بے اختیار ہو کر اس کا منہ چوم لیا (کیونکہ مندر کے اندر مغلوبیت کے عالم میں اس طرز عمل کی اجازت تھی) اور اسی وقت سب سے پہلے اُسے معلوم ہوا کہ پوجنے کی طرح پوجے جانے میں بھی ایک لذت ہے اور جس وقت عورت کی طرف سے یہ جذبہ پیش کیا جاتا ہے تو اسمیں ایک خاص قسم کا نشہ بھی ہوتا ہے، چونکہ رسم و قاعدہ کے لحاظ سے اسکو اس طرز عمل پر خاموش رہنا چاہیئے تھا، اسلیئے وہ بولا تو کچھ نہیں لیکن اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ تھوڑی دیر کے لیئے زہرہ کی طرف سے اس کا خیال ہٹ گیا تھا اور اسلیئے وہ اسکے بعد اسی طرح مضمحل ہو گیا جیسے گلاب کا پھول کثرت لمس سے مرجھا جائے۔

(۳)

جن حالات کے ماتحت سارو خا کی پرورش ہوئی تھی اور جن سادہ داعیات فطرت کے ساتھ وہ اپنے شباب کی حد تک پہونچا تھا، ان کا اقتضا یہی ہونا چاہیئے تھا کہ وہ صحیح معنی میں راہبانہ زندگی بسر کرے اور سوائے اس دیوی کے خیال کے جس کی خدمت خانقاہ میں اسنے ہوش سنبھالا تھا اور تمام دنیاوی جذبات و خواہشات کو یکسر محو کر دے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسمیں کامیاب نہ ہوتا، لیکن اُسے کیا خبر تھی کہ دنیا میں انسانی زندگی ایک ایسی ساعت سے بھی گزرتی ہے جب ایک لمحہ کے لیئے وہ اپنا وزن، اپنی حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیئے ٹھہر جاتی ہے اور یہ لمحہ اسقدر ہوشربا، اسدرجہ سحر انگیز ہوتا ہے، کہ اسکی لذت سے مسحور و مغلوب ہو جانے کو بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے

اور پھر انسان کا سارا ماضی و مستقبل اسی لمحہ میں تبدیل ہوجانے کے لیئے حال بن کر رہ جاتا ہے. جس وقت تک ایتھنس کی عورتوں نے دور ہی دور سے اپنے جذبات صرف نگاہوں کے ذریعہ سے پہونچانے کی کوشش کی. ساروخا نے پروا نہیں کی۔ لیکن جب انمیں ناکام رہنے کے بعد انہوں نے زیادہ بے صبری سے کام لیا، اور اس کے جسم تک پہونچنے کی جسارتیں کرنے لگیں تو وہ بیچین ہوگیا اور محسوس کرنے لگا کہ اسکی روح بلندی سے نیچے کی طرف گر رہی ہے اور اسکی شاعری و موسیقی کی قوت میں کچھ اضمحلال پیدا ہونے لگا ہے۔ اسلیئے وہ اب بہت فکرمند رہتا اور گھنٹوں سوچا کرتا کہ دنیا میں یہ مرد و عورت کی تفریق کیوں ہے اور اگر اس سے کوئی خاص مدعا نہیں ہے تو پھر قدرت نے یہ فرق و امتیاز کیوں رکھا ہے، لیکن یہ مدعا کیا ہوسکتا ہے؟ ۔ اسکو نہ وہ سمجھتا تھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔

اس حال میں مہینوں گزر گئے اور معبد میں پابندی کے ساتھ حاضری دینا بھی اسنے ترک کر دیا، لیکن اس سے لوگوں کے شوق میں اور زیادہ شدت پیدا ہوگئی اور آخر کار رفتہ رفتہ یہ خبر شاہ یونان کی بیٹی، سلیخا کو بھی ہوگئی کہ ساروخا، جس کے حسن و شباب، شاعری و نغمہ سرائی نے قیامت برپا کر رکھی ہے آجکل کچھ مضمحل ہے اور مشکل سے کبھی کسی وقت معبد میں نظر آتا ہے۔

سلیخا کو اس سے قبل بارہا خیال آیا تھا کہ وہ ساروخا کو دیکھے، اس کا گانا سنے، لیکن چونکہ حسب قاعدہ نہ وہ معبد کے کسی پوجاری کو طلب کرسکتی تھی اور نہ خود سال میں دو مرتبہ سے زائد وہاں جاسکتی تھی، اسلیئے اسکی آرزو پوری نہ ہوئی اور جب اسکے معبد جانے کا زمانہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ ساروخا نے وہاں کی حاضری ترک کردی ہے۔ اسنے معبد کے مہتمم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی ساروخا چند دن سے بہت مضمحل ہے، اور ہر وقت خاموش رہتا ہے، پوچھا جاتا ہے تو بھی سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں ملتا۔ سلیخا نے پھر کہلا بھیجا کہ "جو کچھ ہو میری حاضری کے دن ساروخا کا معبد میں حاضر ہوکر گانا ضروری ہے، کیونکہ میں نے اس کے گانے کی بہت شہرت سنی ہے اور اگر اس دفعہ میں کامیاب نہ ہوئی تو ۶ ماہ کے لیئے پھر مجھے کوئی موقعہ نہ ملیگا"

لیکن یہ بھی سلیخا کی خوش قسمتی تھی کہ مہتمم معبد کو اسکے لیئے کوئی کوشش کرنی نہیں پڑی اور سلیخا کی حاضری کا مقررہ دن آنے سے پہلے ہی اسکے حال میں پھر انقلاب پیدا ہوا اور بدستور معبد میں آکر اسی جوش و خروش کے ساتھ گانے اور نے نوازی کرنے لگا۔ (۴)

اتنے دنوں کے اضمحلال کے بعد جو ساروخا اپنی پہلی شان کے ساتھ معبد میں آیا اور نئے نئے شعر،

بالکل نئی رنگینیوں کے ساتھ جو اسنے سنائے تو سارا یونان دوڑ پڑا، اور پھر اسی بیتابی کے ساتھ سارو خا کی زیارت کا شوق وہاں کی عورتوں میں زندہ ہو گیا۔

جوں جوں شاہ یونان کی بیٹی سلیخا کی آمد کا دن قریب قریب آتا جاتا تھا، معبد کی آرائش و صفائی میں زیادہ انہماک پیدا ہوتا جارہا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت بڑھتی جارہی تھی، اُس طرف سلیخا بھی بےچین تھی کہ کسطرح وہ معبد میں پہونچکر سارو خا کو دیکھے، کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ مبادا پھر اسپر اضمحلال طاری ہو جائے۔

آخر کار مقررہ دن آیا اور قصر شاہی سے لیکر معبد زہرہ تک سرخ و سبز مخمل کا فرش بچھا دیا گیا، دو رویہ قنات قائم کر گئے، سپاہیوں کا پہرہ مقرر ہو گیا اور ٹھیک صبح آٹھ بجے سلیخا مع اپنے غلاموں اور کنیزوں کے معبد کی طرف روانہ ہو گئی۔

سلیخا، شاہ یونان کی سب سے چھوٹی لیکن سب سے زیادہ محبوب بیٹی تھی، اور باخبر حلقوں میں ہر شخص کو اس کا علم تھا کہ شاہ یونان اپنے بعد اُسی کے لئے تخت و تاج چھوڑ جائیگا۔ سلیخا اپنی ذہانت و قابلیت کے لحاظ سے ایسی غیر معمولی لڑکی تھی کہ تمام عقلاء یونان حیران تھے کہ ۱۸ سال کی عمر میں ایسی زبردست پرواز فکر اسمیں کیونکر پیدا ہو گئی، حسن ظاہری کے لحاظ سے بھی مشہور تھا کہ یونان میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے، اسلئے جب سال میں دو مرتبہ وہ معبد زہرہ میں حاضری دینے کے لئے باہر نکلتی تھی تو تماشائی پروانہ وار ٹوٹ پڑتے تھے اور جب تک سلیخا نگاہوں کے سامنے رہتی تھی سب پر سکتہ سا عالم طاری رہتا تھا

الغرض فرش مخملیں پر پھولوں کو روندتی ہوئی، سلیخا، اپنے قصر سے نکلی اور خراماں تین گھنٹے کے اندر معبد زہرہ کی حدود میں پہونچ گئی۔ یہ رسم تھی کہ جب شاہزادی یہاں آتی تھی تو سب سے پہلے معبد کے اندر جاکر اپنی نذر پیش کرتی تھی اور پھر باہر آکر زائرین کی نذریں خود قبول کرتی تھی، اور اُن کو چلتے وقت معبد کو دے آتی تھی۔ چنانچہ وہاں پہونچتے ہی اسنے اپنے چہرہ سے نقاب علیحدہ کیا۔ نذر کے مخصوص لباس یعنی سیاہ ریشمی چادر میں اپنے آپ کو لپیٹا۔ کہنیوں تک ہاتوں کو عریاں کرکے، ہتیلیوں پر گلاب کا ہار، اور اسپر ۵۰ اشرفیاں رکھیں اور انتہائے جذبۂ احترام کی معصوم کیفیت اپنی رفتار میں پیدا کرکے آگے بڑھی۔ اسکی گردن جھکی ہوئی تھی آنکھیں مائل بہ زمین تھیں۔ جسم پر ہلکا سا رعشہ طاری تھا وہ زہرہ کے قدموں پر اپنی نذر پیش کر رہی تھی اور چاروں طرف ہنگامۂ موسیقی برپا تھا۔

نذر پیش کرنے کے بعد ہی اسکی نگاہوں نے سارو خا کی جستجو کی، لیکن اسکو کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اسوقت

وہ یہاں موجود نہ تھا۔ ہرچند اسکو اس سے سخت تکلیف و مایوسی ہوئی، لیکن وہ کچھ نہیں بولی کیونکہ ابھی شام کی حاضری باقی تھی اور اسنے سنا بھی یہی تھا کہ اکثر و بیشتر وہ رات ہی کی عبادت میں شریک ہوتا ہے۔

(۵)

آفتاب غروب ہو چکا ہے، معبدِ زہرہ روشنیوں کی کثرت سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ عود کی خوشبو سے ساری پہاڑی معطر ہو رہی ہے۔ سارو خا اپنی روح کے انتہائے تصرف کے ساتھ نہایت ہی عجیب و غریب لحن میں زہرہ کی تعریف گا رہا ہے، کہ شاہزادی سلیمیٰ شوق و بیتابی کا بحرِ متلاطم اپنے سینہ میں لیئے ہوئے اندر داخل ہوئی اور گزشتہ ۶ ماہ سے پرورش پاتے والی تمنا اسکی نگاہوں کی راہ سے نکلی اور سارو خا کے چہرہ پر پڑی۔

ہرچند اسکو معلوم تھا کہ آج شاہزادی آئی ہوئی ہے اور وہ اسکے تمام کمالات ظاہری و باطنی سے بھی واقف تھا، لیکن جسوقت وہ معبد کے اندر ہوتا تھا، تو ساری دنیا کو بھول جاتا تھا اور انتہائی استغراق کی حالت میں مصروف نغمہ رہتا تھا، اسلیئے شاہزادی اندر آئی۔ دیر تک کھڑی رہی، پھر اپنی نذر چڑھائی، بخور سلگایا، لیکن سارو خا اپنی محویت سے باہر نہیں ہوا اور اسی طرح ایک خاص عالم شکر میں گاتا رہا۔

ادہر سلیمیٰ کا یہ عالم تھا کہ جسوقت اسکی اولین نگاہ اسپر پڑی تو وہ مشکل سے یقین کر سکی کہ یہ کوئی دیوتا نہیں بلکہ انسان ہے۔ وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ شاید وہ خواب دیکھ رہی ہے کہ اڈونس، اپنی اُس بے اعتنائی پر اظہار ندامت کرنے کے لیئے جو اسنے کسی وقت وینس سے کی تھی۔ آیا ہے اور اب طلب عفو کر رہا ہے۔

وہ دیر تک متاثرانہ حالت میں کھڑی رہی اور پھر بے اختیار ہو کر آگے بڑھی اور سارو خا کے شانہ پر ہات رکھ کر اسکو چونکا دیا۔ "کون؟"

"میں، ساری دنیا کے لیئے شاہِ یونان کی بیٹی اور تیرے لیئے صرف سلیمیٰ۔ میں عرصہ سے تیرے کمالات کا شہرہ سن رہی تھی، اور تجھ سے ملنے کی آگ عرصہ سے دل میں دبائے ہوئے تھی۔ آج آخر کار میں نے تجھے دیکھ لیا تیرے کمال کا خود اندازہ کر لیا۔ اور اس کے اعتراف میں تیرے لیئے موتیوں کا ہار لائی ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تو خود اسکو میری گردن میں سے اُتار لے۔"

سارو خا اپنے حواس مجتمع کرنے میں مصروف تھا اور اسنے اس تقریر کا پہلا حصہ بالکل نہیں سنا، جب ہوش میں آیا تو شاہزادی اپنا آخری فقرہ ادا کر رہی تھی کہ تو خود اسکو میری گردن سے اُتار لے۔ اسلیئے

وہ بالکل نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا بات ہے اور کون اسکے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ وہ یہ سنکر متحیرانہ شاہزادی کو کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھکر ذرا علیحدہ ہو گیا اور بولا کہ:۔

"تیری گردن سے کیا چیز اتار لوں ـــ موتیوں کا ہار؟ ۔ یہ میرے کس کام آئیں گے؟ میں ان کو آنسوؤں میں بھی تو تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ بہت سخت ہیں۔ رقیق ہو کر میری پلکوں سے نہیں ٹپک سکتے!"

سلیتھا نے یہ سنکر جواب دیا کہ " اے سارو خا، مجھ میں اب تیری شاعری کی برداشت باقی نہیں ہے، میں مسلسل ایک گھنٹے سے تیرے اُن آتشیں جذبات کے سامنے پگھلی جارہی ہوں، جن کو تو اس آزادی سے ادا کرتا ہے اور مطلق اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کوئی عورت ان کو سننے کے بعد کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں وہ آگ جو تونے سرزمین یونان میں لگا رکھی ہے، قصر شاہی کے اندر بھی پہونچ گئی ہے اور وہاں کا نہا گو ہر شب چراغ مشتعل ہو کر اب خاک ہو جانے کے قریب ہے"

سارو خا اب سمجھا کہ یہ شاہزادی ہے، اور یہ سمجھنے کے بعد ہی اسنے مودبانہ سر جھکا کر عرض کیا کہ " اے ملکۂ عالم، مجھ سے میرا پندار عجز نہ چھین۔ کیسی شاعری، کہاں کے آتشیں جذبات۔ کجا قصر شاہی کی بلند دیواریں اور کجا میری بانسری کی ضعیف آواز۔ کیا دنیا نے مجھے تباہ و برباد کرنے کی قسم کھالی ہے۔ اے ملکہ، کیا واقعی تیری اتنی وسیع سلطنت میں میرے رہنے کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ تو قزاقوں اور رہزنوں کا استیصال کرتی ہے، تو مظلوموں کی فریاد کو پہونچتی ہے، تو خدا کی طرف سے اپنی رعایا کے امن و سکون کی ذمہ دار ہے اور مجھے یقین ہے کہ تو یہ تمام اپنے فرائض اچھی طرح انجام دیتی ہوگی، لیکن تو بے خبر ہے تو ایک میرے حال سے غافل ہے تو ایک میری بیکسی سے۔ دنیا ہنگامہ کی طالب ہے، شہرت کی خواہشمند ہے، دولت کی متمنی ہے، لیکن میں تو صرف سکون چاہتا ہوں۔ سوائے اسکے کوئی خواہش نہیں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن کیا قیامت ہے کہ میری یہ حقیر تمنا بھی پوری نہیں ہوتی۔ میں کسی کو نہیں دیکھتا، تو کوئی مجھے کیوں دیکھے، میں کسی کی تمنا نہیں کرتا پھر دوسرا میری تمنا کیوں کرے۔ میں تعریف سے گھبراتا ہوں تو کیوں کوئی مجھے تکلیف پہونچائے۔ مجھے ان کے انعام کی ضرورت نہیں، صلہ کی پروا نہیں، معاوضہ کی خواہش نہیں، سرے سے دنیا ہی میں رہنے کی حاجت نہیں پھر کیوں مجھے ستایا جائے کیوں دکھ دیا جائے ـــ"

سلیتھا، نہایت غور سے سنتی رہی اور اسکی شیریں آواز سُن سن کر اور تباہ ہوتی رہی، حتیٰ کہ سروخا نے اپنی گفتگو ختم کی اور ایک طویل آہ کھینچکر خاموش ہو گیا۔ چند لمحہ تک دونوں طرف سکوت کا عالم طاری رہا

اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سکوت کب تک طاری رہتا، لیکن سلیمٰی نے یہ دیکھ کر کہ وقت کم رہ گیا ہے ایک آخری جسارت سے کام لیا اور بولی کہ:-

"اے سروخا، تو انسان پیدا ہوا ہے اور انسان ہی کی طرح تجھے زندگی بسر کرنا ہے، تو اگر سکون کی تلاش اسلیئے کرتا ہے کہ جامد ہو کر زہرہ دیوی بن جائے تو ممکن نہیں۔ تو پتھر نہیں ہے، گوشت پوست کی مخلوق ہے اور اگر آج نہیں تو کل تجھے اس کا احساس ہوگا پھر تو کیوں اسوقت اُس چیز کو ٹھکراتا ہے جس کے لیئے تو دوسرے وقت بیتاب ہو جانے والا ہے۔ اگر دنیا تیری قدر کرتی ہے تو تجھے اسپر مسرور ہونا چاہیئے، کہ نظام فطرت یہی ہے اور اگر کوئی ہستی تیری تمنا کرتی ہے تو تجھے بھی اسکی تمنا کی پذیرائی کرنی چاہیئے کہ دنیا کا انتظام اسی طرح جاری ہے۔ تو خوبصورت ہے، جوان ہے، شعر و موسیقی کا خدا ہے، اور ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پرستش کے قابل ہے چہ جائیکہ ان سب کا اجتماع، کہ اگر تو چاہے تو اک مستقل دیوتا کی سی زندگی بسر کر سکتا ہے، میں نے جبوقت تک تجھے نہیں دیکھا تھا صرف دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی، جب دیکھ لیا تو تجھے پالینا چاہتی ہوں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ بغیر اسکے میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر چونکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیئے کوشش کرے۔ اسلیئے ظاہر ہے کہ میں بھی اسکے لیئے کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھوں گی" وہ یہ کہتی جاتی تھی اور آگے بڑھتی جا رہی تھی یہاں تک کہ سروخا کے قریب پہونچکر اسنے اپنا ہات بڑھادیا۔ اور اسکی آستین پکڑ کر اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا چاہا۔ لیکن اسنے اپنا ہات کھینچ لیا، تیوریاں چڑھ گئیں اور ایک خاص انداز استغنا کے ساتھ بولا کہ "اے ملکہ اپنے حسن کا جادو مجھ پر نہ ڈال، مجھے معلوم ہے کہ تو بہت حسین ہے، اور ایک شخص کو اپنی محبت پیش کرکے دیوانہ بنا سکتی ہے، لیکن تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ سروخا واقعی پتھر ہے اور سحر جمال کا اثر قبول کرنے کے لیئے بالکل نااہل۔ ممکن ہے کہ تو اس کے بدن میں کوئی گرمی محسوس کرے، لیکن اس کا دل حقیقتاً برف کی قاش ہے۔ پھر اگر تجھے پتھر ہی سے محبت کرنا ہے، تو سر ٹکرانے کے لیئے ساری پہاڑی موجود ہے، مجھی میں کیا خصوصیت ہے؟"

سلیمٰی میں جہاں اور باتیں تھیں وہیں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ بلا کی خوددار تھی پھر چونکہ اسکی زندگی میں کسی کے سامنے التجا پیش کرنے کا یہ بالکل پہلا موقعہ تھا، اسلیئے اسکے رد کردیئے جانے کی تلخی کو اسنے نہایت شدت کے ساتھ محسوس کیا اور جس طرح ناگن چوٹ کھانے کے بعد غضب آلود ہو جاتی ہے، اسی طرح وہ بھی سروخا کا یہ جواب سنکر طیش میں آگئی اور اُسنے عزم کرلیا کہ اگر میں پہلے اپنی محبت کی مجبوری سے اسکو حاصل کرنا

چاہتی تھی، تو اب جذبۂ انتقام پورا کرنے کے لیئے اسکو شکست دونگی۔ چنانچہ سرد خا کی یہ گفتگو سنکر وہ فوراً علیحدہ ہو گئی اور تن کر بولی کہ "اے کسان کے بیٹے" جو کچھ میں تجھ سے سن رہی ہوں وہ خلاف توقع نہیں ہے اس تنگ ظرفی کی مثالیں بہت سی میری نگاہ سے گزر چکی ہیں، اور میں جانتی ہوں کہ برتن میں جب اسکی سمائی سے زیادہ پانی پڑیگا تو ضرور چھلک جائیگا، لیکن شاید تو نے ابھی تک یہ محسوس نہیں کیا کہ تو اسوقت کس سے مخاطب ہے۔ کیا تو اس سے بیخبر ہے کہ میں جب کسی سے اپنی محبت ہٹا لیتی ہوں تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ میں اس سے نفرت کرنے لگی ہوں۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا کسی سے نفرت کرنا اسکی زندگی کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ پھر قبل اسکے کہ تو کوئی فیصلہ کر کے مجھے کسی عزم پر مجبور کرے۔ اسپر غور کرلے کہ تو کسکو اپنا دشمن بنا رہا ہے، تو نے اسوقت تک راستہ میں سیکڑوں چیونٹیاں پامال کر ڈالی ہونگی۔ لیکن میرے لیئے تجھے مسلدینا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے، پھر اب بول، وقت کم ہے اور اسوقت یہاں سے جانے سے قبل مجھے انتظام کرنا ہی، کہ کل تیرے متعلق مرزمین یونان کس خبر کو سننے کے لیئے آمادہ ہو"

سرد خا، یہ سنکر بالکل خلاف عادت زور سے ہنسا اور بولا کہ "اے ملکہ مجھے تیرے اقتدار کا علم ہے اور میں جانتا ہوں کہ تو جتنی دیر میں میرے تباہ کرنے کا ارادہ کر سکتی ہے، اس سے جلد تو اسپر عمل کر سکتی ہی، لیکن اگر گستاخی نہ ہو تو مجھے پوچھنے دے کہ دنیا میں وہ کونسی تباہی ہے جس کے ڈر سے میں اپنے آپ کو کسی ناپاک خیال سے ہلاک کرنا گوارا کر لونگا۔ میں اپنے آپ کو جس دیوی کے لیئے وقف کر چکا ہوں۔ اور اس کے احترام میں اگر جان سے زیادہ کوئی عزیز چیز ہو سکتی ہے تو اسکی قربانی سے بھی گریز نہیں ہو سکتا"

سلیخا نے جواب دیا کہ "ہاں، جان سے زیادہ ایک عزیز چیز اور ہے اور میں وہی تجھ سے چھین لونگی، اگر تجھے معلوم نہیں ہے تو بتانا چاہتی ہوں کہ وہ چیز تیری عزت و آبرو ہے۔ کیا تو اس سے انکار کر سکتا ہی کہ تو نے معبد کی تنہائی میں، میری عصمت پر حملہ نہیں کیا، اور کیا میری ایک چیخ تجھے بدترین ذلت میں گرفتار نہیں کرا سکتی، اور تیری یہ عزت آن واحد میں خاک آلود نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں ایسا کرنے سے ابھی باز رہونگی اور ایک مرتبہ تجھے اور سمجھاؤنگی کہ خواہ تو اپنے خیالات کے لحاظ سے کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، لیکن کفران نعمت کو کوئی مذہب گوارا نہیں کر سکتا۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ تیرا گوشت پوست تیرا خون، تیری روح اور اسوقت تک کی تیری ساری زندگی میری ہی ممنون احسان رہی ہے، اور میرے ہی نمک سے پل کر تو اس قابل ہوا ہے کہ آج دنیا تجھ پر رشک کرتی ہے۔ پھر اگر کوئی اور خیال تجھے

التجا قبول کرنے کی طرف مائل نہیں کر سکتا، تو کم از کم حق نمک کا پاس تو تجھے ضرور کرنا چاہیئے۔ علی الخصوص اسوقت جبکہ میں تجھ سے سوائے اسکے کچھ نہیں چاہتی کہ میرا یہ موتیوں کا ہار اپنے ہاتھ سے اتار کر گلے میں ڈال لے۔" یہ کہکر سلیخا پھر آگے بڑھی اور اس خیال سے کہ سرد خاب کافی متاثر ہو چکا ہے، اسنے ہاتھ بڑھایا، کہ اس کا دامن کھینچکر اپنے سے قریب کرے۔ لیکن سرد خاب اس مرتبہ زیادہ تندخوئی سے پیچھے ہٹا اور پھر کر بولا کہ "اے شاہزادی، اسمیں شک نہیں کہ میری زندگی تیرے ہی احسان کا نتیجہ ہے۔ اور میرے خون کا ہر قطرہ تیرا ہی بخشا ہوا ہے۔ اسلیئے اسوقت تک کہ میں زندہ ہوں تجھے حق حاصل ہے کہ مجھے اپنے فرمان کی تعمیل پر مجبور کرے۔ لیکن شاید تجھے معلوم نہیں کہ تیری ودیعت میں ہر وقت واپس کر سکتا ہوں اور اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اس پابندی سے آزاد ہو سکتا ہوں۔ پھر مطمئن رہ کہ دوبارہ اس طعن کے سننے سے قبل میں وہ سب کچھ کر دکھاؤنگا۔ جسکی تجھے توقع نہیں ہو سکتی۔" اسنے یہ کہا اور بجلی کی طرح ایک چیز ہوا میں چمکی۔ کر اس کے سینہ میں داخل ہو گئی۔ لیکن قبل اسکے کہ سلیخا اس تمام منظر کو سمجھکر کوئی تدبیر اختیار کرتی۔ زہرہ کا پجاری اپنی معبودہ کے قدموں پر جان دے چکا تھا۔ اور ہمیشہ کے لیئے اس دنیا کے احسان سے سبکدوش ہو گیا تھا جو اپنی تنگ ظرفی کی ایسی یادگاریں قائم کرنے میں ہمیشہ سے جری ہے اور غالباً رہیگی۔

"وشنی"

جہاں آرا بیگم

بنت شاہجہاں کی سوانحعمری۔ اگر آپ عہد مغلیہ کی خواتین کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتی ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کیجیئے، یہ انتہا درجہ دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ قیمت ۸ر

تذکرہ حضرت بلھے شاہ

پنجاب میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بلھے شاہ سے واقف نہ ہو۔ آپ سترہویں صدی کے نہایت مشہور بزرگ تھے، اور آپ کے حالات ناپید تھے۔ اب نہایت مستند ذرائع سے فراہم کرکے یکجا کیئے گئے ہیں اور آپ کی شاعری پر بھی مفصل تنقید کی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

منیجر نگار بھوپال

"دل"

بتاؤں اے ہمنشیں! تجھے کیا؟ کہ چیز کیا ہے یہ دل ہمارا
میں خود بھی ڈرتا ہوں اس بلا سے بری بلا ہے یہ دل ہمارا

یہ دل ہمارا ہے سنگِ خارہ
یہ دل ہمارا ہے اک شرارہ
یہ دل ہمارا ہے برق پارہ
یہی تو ہے حشر کا نظارہ

بتاؤں اے ہمنشیں! تجھے کیا؟ کہ چیز کیا ہے یہ دل ہمارا

(۲)

کبھی ہے موم اور کبھی ہے پتھر تضاد گویا ہے اسکا جوہر
کبھی تو ہے بوم سے بھی بدتر کبھی ہما ہے یہ دل ہمارا

ہے آبِ حیواں بھی اور سم بھی
ہے جامِ کوثر بھی جامِ جم بھی
یہ تیغِ براں بھی ہے قلم بھی
یہ بتکدہ بھی ہے اور حرم بھی

بتاؤں اے ہمنشیں! تجھے کیا؟ کہ چیز کیا ہے؟ یہ دل ہمارا

(۳)

میں اسکے اوصاف کیا گناؤں؟ کہ ہیں وہ حدِ بیاں سے باہر
نہیں یہ مطلب نعوذ باللہ کہ خود خدا ہے یہ دل ہمارا

مگر یہ ہے آستانِ ہستی
مگر یہ ہے آسمانِ ہستی
مگر یہ ہے عطرِ جانِ ہستی
یہی تو ہے رازدانِ ہستی

بتاؤں اے ہمنشیں تجھے کیا؟ کہ چیز کیا ہے یہ دل ہمارا

امین حزیں

استفسارات

ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

(جناب زوار حسین صاحب۔ لکھنؤ)

غالب نے اپنے آپ کو لکھا ہے:۔ "ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم" خیر اس کا اسد اللہ ہونا تو ظاہر ہے، لیکن وہ اپنے عقائد کے لحاظ سے کیا واقعی نُصیری تھا جو اپنے کو اسد اللّٰہی لکھتا ہے؟ اس جماعت کے مختصر حالات و مراسم بھی مطلوب ہیں۔

(نگار) آپ کے استفسار میں دو غلط فہمیاں ہیں ایک تو یہ کہ نُصیری اور اسد اللّٰہی کو آپ ایک ہی چیز سمجھتے ہیں اور دوسرے یہ کہ غالب کا اپنے آپ کو اسد اللّٰہی لکھنا آپ کے نزدیک گویا اپنے اعتقاد کا اظہار کسی حقیقی اصطلاحی الفاظ کے ذریعہ سے کرنا ہے۔

غالب نے اپنے آپ کو اسد اللّٰہی اسلیئے نہیں لکھا کہ وہ حقیقتاً عقائد کے اعتبار سے علی اللّٰہی تھا، بلکہ صرف اس بنا پر کہ اُسے جناب امیر علیہ السلام سے بہت تعلق تھا اور اس تعلق کا غلو اُسے تفضیلیہ کی حد تک پہونچاتا تھا، پھر چونکہ اس کا نام بھی اسد اللہ تھا اور اسد اللّٰہی کہنے میں ایک شاعرانہ لطف بھی پیدا ہوتا تھا، اسلیئے اُسنے ایسا لکھدیا۔ جس سے مقصود صرف اس نسبت کو بالکل اسی طرح پر ظاہر کرنا تھا جیسے صدیقی یا فاروقی سے ظاہر کی جاتی ہے۔

علی اللّٰہی، نہایت غالی طبقۂ شیعہ ہے، جو اس امر کا قائل ہے کہ جناب امیر میں خدا نے حلول کر لیا تھا، اور اسی بنا پر اپنے کو اہلِ حق سے تعبیر کرتا ہے، تخلیق کائنات کا سبب یہ پانچ قوتوں کو ظاہر کرتے ہیں:۔

پیر پادشاہم۔ پیر بنیامین۔ پیر داؤد۔ پیر رہبر۔ پیر موسیٰ۔

یہ لوگ مسجدوں میں نہیں جاتے، شراب پیتے ہیں اور ایک سے زیادہ شادی نہیں کرتے ان کے ہاں طلاق بھی رائج نہیں ہے، شادی کی تقریب میں مرد عورت ہات ملا کر ساتھ ساتھ رقص کرتے ہیں اور اپنے مذہبی پیشوا کو پیر کہتے ہیں۔ ان کے آٹھ مسلک ہیں:۔ ابراہیمی۔ داؤودی۔ میری، سلطان، بابری، خاموشی، یادگاری

شاہ ایازی، خان تاشی۔

کردستانی زبان میں ان کی متعدد کتابیں پائی جاتی ہیں، جنمیں سے خاص کتاب چہار ملک ہے کرمان شاہ ان کا مرکز ہے اور ہندوستان میں بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

* * * * * * * * *

فرقہ اسماعیلیہ

(جناب شوکت مرزا صاحب - اندھیری)

فرقۂ اسماعیلیہ و اثنا عشریہ میں کیا فرق ہے۔ کیا قرامطہ اور اسماعیلیہ ایک ہی چیز ہیں ان کے حالات کن کتابوں میں ملتے ہیں؟ -

---

(نگار) مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس سے قبل ایک مرتبہ سلسلۂ استفسارات میں اسماعیلیہ طبقہ کے متعلق لکھا جا چکا ہے لیکن چونکہ آپ کے سوال کی نوعیت کچھ بدلی ہوئی ہے اسلیئے جواب بھی دوسرا ہونا ضروری ہے۔

اثنا عشری اور اسمعیلی جماعتوں میں یہ فرق ہے کہ وہ امام موسی الکاظم کی امامت کو نص سمجھتے ہیں اور یہ اسے موضوع خیال کرتے ہیں اور امام صادق کے بعد امامت کو نسل اسماعیل بن جعفر (محمد و اسحاق پسران اسماعیل) میں قرار دیتے ہیں۔ اثنا عشری جماعت محمد و اسحاق کے بعض ایسے اقوال پیش کرتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے موسیٰ بن جعفر کی امامت کا اقرار کیا، اور اسماعیلی علماء بعض احادیث اسماعیل بن جعفر کی شان میں اصول کافی کلینی اور ارشاد شیخ نعمان المفید بغدادی سے نقل کرتے ہیں۔ ہر چند اثنا عشری علماء اس کا جواب دیتے ہیں لیکن اسمیں شک نہیں کہ صافی شرح اصول کافی، ارشاد القلوب دیلمی، منہج الیقین، صحاح الاخبار اور تاریخ حمد اللہ مستوفی میں بعض اقوال ایسے ضرور نظر آتے ہیں جن سے مسلک اسماعیلہ کی تائید ہوتی ہے

شوکانی صنعانی نے اس باب میں ایک کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلیہ طبقہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسماعیلی جعفری جامع الشرائط زندہ امام سے انحراف کریگا، تو وہ جہنمی ہوگا۔ کیونکہ زندہ امام اُن کے ہاں نائب رسول کہلاتا ہے۔ چونکہ ان کے ہاں امامت مختتم نہیں ہے بلکہ قیامت تک حضرت اسماعیل کی نسل میں جاری رہنے والی ہے، اسلیئے وہ اپنے امام وقت کا وہی ادب و احترام کرتے ہیں جو ایک نائب رسول کا کرنا چاہیئے۔

چونکہ شیعہ سنی دونوں ان کے خلاف ہیں اس لیے یہ اپنی کتاب کو مخفی رکھتے ہیں اور اسلیئے ظاہر نہیں کرتے کہ خواہ مخواہ ان پر اعتراض ہوگا اور وہ بحث و مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں متفق ہیں اور دینیات کی بنیاد ان کے ہاں زیادہ تر انہیں کے اقوال پر قائم ہوئی ہے، اسلیئے دونوں جماعتوں کی فقہ قریب قریب ایک ہے۔

بعض مورخین نے قرامطہ اور اسماعیلیہ کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے، کیونکہ اسماعیلیہ جماعت کا وجود دوسری صدی ہجری کے نصف میں ہو چکا تھا اور قرامطہ اسکے ایک صدی کے بعد فتنۂ زنج کے بعد ظہور میں آئے، ہر چند یہ صحیح ہے کہ بعد کو اسماعیلیہ جماعت نے تحریک قرامطہ کو سیاسی مصالح کی بناء پر اختیار کر لیا تھا، لیکن اس سے ان دونوں کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔

اثنا عشری جماعت کے مشہور مصنف و علامہ قاضی نور اللہ نے بھی مجالس المومنین میں اس غلطی کو ظاہر کیا ہے اور اسماعیلیہ جماعت کی دینداری کی شہادت دیتے ہوئے انہیں شیعہ اور مومن پاک ظاہر کیا ہے۔

طبقۂ اسماعیلیہ کے مفصل حالات کے لیئے نگار کے سابق پرچے ملاحظہ کیجیئے۔ قرامطہ کی تاریخ چونکہ بہت پیچیدہ اور بسیط ہے اسلیئے اسکے لیئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہوگی جسے آپ کسی وقت نگار میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یا پھر ان کتابوں کا مطالعہ کیجیئے:-

ملل و نحل شہرستانی۔ ریاض السالکین۔ انوار النعمانیہ۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ وفیات الاعیان۔ تاریخ الخلفاء۔ تاریخ خمیس۔ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابو الفداء۔ مروج الذہب۔ شرح مواقف۔ غنیۃ الطالبین۔ حیوۃ الحیوان۔ بحار الانوار باقر مجلسی۔ تاریخ حمد اللہ مستوفی۔

ابن رشد و شیخ الرئیس

(جناب محمد اکرم صاحب۔ حیدرآباد)

شیخ الرئیس بو علی سینا اور ابن رشد کے مختصر و جامع حالات مطلوب ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو تو ذریعۂ نگار آگاہ فرمائیے۔ ابن رشد کے متعلق حال ہی میں ایک بسیط تصنیف اردو میں شائع ہوئی ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ نہایت اختصار کے ساتھ مجھے تمام ضروری حالات کا علم ہو جائے۔

(نگار) ابن رشد کے متعلق آپ نے جس تالیف کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً نہایت جامع کتاب ہے اور اس سے بہتر مواد دوسری جگہ نہیں مل سکتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ اس کے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور یہ خدمت میرے سپرد فرماتے ہیں کہ اس کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کروں، حالانکہ مجھے آپ سے زیادہ تنگی فرصت کی شکایت ہونی چاہیئے۔ بہرحال تعمیل ارشاد کرتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔

(۱) شیخ الرئیس کا نام حسین تھا، اور کنیت ابو علی۔ باپ کا نام عبداللہ تھا، ان کے ایک شاگرد ابو عبید الجرجانی نے جو حالات ان کے لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بو علی ۳۷۰ھ میں بخارا کے قریب ایک مقام میں پیدا ہوئے، اسوقت ان کے والد یہیں بخارا میں تھے، اور اسی جگہ ابو علی کی تعلیم ہوئی، پہلے ان کو قرآن و ادب کی تعلیم دی گئی اور پھر فقہ کے بعد منطق و ریاضی کی، فلکیات کی تعلیم انہوں نے ایک ماہر فن ابو عبداللہ سے حاصل کی۔ چونکہ جسمانی و ذہنی نشو و نما کے لحاظ سے یہ غیر معمولی ترقی کر رہے تھے اسلیئے ہمیشہ چند دنوں کے بعد یہ اپنے استادوں سے بڑھ جاتے تھے، اور ان کی تشنگی علم بدستور باقی رہتی تھی۔ آخرکار انہوں نے خود مطالعہ شروع کیا، اور طبیعیات، مابعد الطبیعت، اور طب خود اپنی محنت سے حاصل کی۔ اور ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں درجۂ فضیلت کو پہونچ گئے۔

اسی زمانہ میں انہوں نے شاہ بخارا، نوح بن منصور کو ایک بیماری سے اچھا کیا اور اس کے انعام میں ان کو کتب خانہ سپرد کر دیا گیا۔ چونکہ حافظہ نہایت قوی تھا اسلیئے چند دن میں مطالعۂ کتب سے انہوں نے بہت فائدہ حاصل کیا اور ۲۱ سال کی عمر سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بائیس سال کی عمر میں باپ کا انتقال ہو گیا اور یہ بے اطمینان ہو گئے۔ ان کی مشہور کتابیں القانون فی الطب، اور کتاب الشفا اسوقت مکمل ہوئیں جب یہ جرجان، رے، ہمدان اور اصفہان کے درباروں میں اطمینان سے جاکر بیٹھے۔

ان کے مشاغل زیادہ تر علمی تھے لیکن کبھی کبھی سیاسیات سے بھی بحث کی جسمیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی اپنی زندگی کے اخیر ایام انہوں نے اصفہان میں علاؤ الدولہ کے پاس بسر کیئے اور جب ۴۲۸ھ میں اس نے ہمدان پر حملہ کیا تو یہ بھی ساتھ تھے، لیکن راستہ ہی میں بیمار ہو گئے۔ اور انتقال کر گئے، ان کی قبر ہمدان میں موجود ہے۔

ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علمی و دینی نظریے زیادہ تر فارابی، اور غزالی

کی تصانیف سے صورت پذیر ہوئے تھے، اور ہر چند تصانیف ارسطو سے متاثر ہونا بھی ان کا ظاہر ہوتا ہے، لیکن افلاطونیت جدید (Neo - platonism) کا رنگ غالب ہے، جیساکہ ان کے اصول طبعیات کے مطالعہ سے ثابت ہو سکتا ہے۔ فن طب میں ان کے مقالات سے مغرب و مشرق دونوں نے بہت فائدہ حاصل کیا اور اب تک اُن کے اکثر نظریے صحیح تسلیم کیے جاتے ہیں۔

(۲) ابن رشد کا اصل نام محمد تھا اور اُس کے پردادا کا نام رشد تھا۔ کنیت ابوالولید تھی۔ ۵۲۰ھ میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا۔ اسکے باپ دادا قاضی کے عہدہ پر ممتاز تھے، اسنے فقہ اور طب اپنے وطن میں حاصل کی، لیکن بعد کو ابن طفیل کے مشورہ سے مراکش چلا گیا اور وہاں ابولعیقوب یوسف (الموحد) اس کا مربی ہوگیا۔ ابولعیقوب خود بھی بڑا فاضل شخص تھا اور علوم عقلیہ پر وسیع نگاہ رکھتا تھا۔

۵۶۵ھ میں وہ اشبیلیہ کا قاضی ہوگیا اور اسکے دو سال بعد قرطبہ کا عہدۂ قضا اسکے سپرد ہوا، یہی زمانہ اسکی تصانیف کا تھا۔ ۵۷۸ھ میں ابن یوسف نے اپنے طبیب خاص کی حیثیت سے مراکش بلایا کیونکہ ابن طفیل بہت ضعیف ہوگیا تھا، لیکن پھر قاضی القضاۃ بناکر قرطبہ واپس کر دیا۔

ابن یوسف کے بعد یعقوب المنصور کا عہد حکومت شروع ہوا، اول اول اسنے بھی ابن رشد کی بہت قدر کی لیکن بعد کو جب فقہا نے اسکے عقائد کی مخالفت کی تو نظروں سے گر گیا اور جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں خلیفہ نے حکم دیا کہ سوائے طب، ریاضی اور ہیئت کے اور کتابیں فلسفہ کی جلا ڈالی جائیں۔ بعد کو جلاوطنی کا حکم منسوخ کرکے ابن رشد پھر مراکش طلب کر لیا گیا لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد ۵۹۵ھ میں مر گیا۔

فلسفہ میں اسنے دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح طب میں ۲۰ کتابوں کا مصنف بنا اور فقہ، علم کلام، ہیئت اور نحو میں کم و بیش بیس کتابیں اسنے لکھیں۔ ارسطو کی بہت سی کتابوں کی اسنے شرح لکھی اور اپنے ذوق فلسفہ کی بنا پر اسقدر مشہور ہوگیا کہ ایک مستقل فلسفہ "فلسفہ ابن رشد" کے نام سے مشہور ہوگیا درآنحالیکہ اُسنے کوئی نئی بات پیش نہیں کی تھی۔

ابن رشد کی سیرت کا بڑا حصہ اسکی تصانیف سے متعلق ہے اور اُن پر نقد و تبصرہ کرکے اسکے اعتقاد اور فلسفہ سے بحث کرنا اس موضوع کا نہایت اہم حصہ ہے، لیکن اول تو سلسلۂ استفسارات میں اسکی گنجائش نہیں ہو سکتی اور اگر ہو تو بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس باب میں مولوی محمد یونس صاحب انصاری مرحوم کی تالیف بہت جامع و مانع چیز ہے۔ ضرورت ہو تو آپ اس کا مطالعہ کیجیے۔

سمرو بیگم اور ابو الفضل کی قبر

(جناب مسعود الرحمٰن خاں صاحب ندوی۔ پیلی بھیت)

میرٹھ کی سمرو بیگم کے حالات مطلوب ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ابو الفضل کی قبر کہاں ہے؟

غالب کے اس شعر کا کیا مطلب ہے۔

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجئے
کٹے زباں تو خنجر کو مرحبا کہئے

(نگار) آپ کی وہ تحریر جسمیں استفسار درج تھا، گم ہوگئی، اسلیئے اس کا صرف مفہوم (جو مجھے یاد رہگیا ہے) یہاں لکھے دیتا ہوں۔

آپ نے سمرو بیگم کے متعلق شاید کچھ اور بھی لکھا تھا جو ذہن سے نکل گیا، اسلیئے براہ کرم ذرا تفصیل سے کام لیکے بتایئے کہ یہ سمرو بیگم کس عہد میں پائی جاتی تھی، اور اسکی دیگر خصوصیات کیا مشہور ہیں تاکہ ان سے مدد لے کے میں جستجو کروں؟۔

ابو الفضل کے متعلق غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ نرور کے قریب ایک بندیلہ سردار نے قتل کرکے اُس کا سر شاہزادہ سلیم کے پاس بھیجدیا تھا۔ (یہ واقعہ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کا ہی) اسکے جسم کے متعلق یہ تحقیق ہے کہ آنتری (ریاست گوالیار میں ایک مقام ہے) لے گئے تھے اور وہیں اسے دفن کردیا تھا۔ یہ قبر اب تک موجود ہے۔ لیکن نہایت بُری حالت میں۔

غالب کے اس شعر میں صرف "خوں بہا دیجیئے" نے ذرا پیچیدگی پیدا کردی ہی ورنہ مطلب بالکل صاف تھا سو اس کے متعلق بعض کا خیال ہی کہ خوں بہا دینے سے مراد خوں بہا معاف کردینا ہی، اور یہی بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسری صورتوں میں بہت تاویل بعید سے کام لیکر مفہوم پیدا کرنا پڑیگا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

عرفی اور شاہزادہ سلیم

(جناب سید مسعود احمد صاحب۔ بریلی)

کیا عرفی اور شاہزادہ سلیم کی محبت کا واقعہ تاریخی نقطۂ نظر سے بالکل صحیح ہے؟

(نگار) آپ کے استفسار کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ ان دونوں میں باہم رشتۂ محبت پایا جاتا تھا حالانکہ اگر حقیقت ہو سکتی ہے تو صرف اسقدر کہ عرفی کو شاہزادہ سلیم سے محبت تھی، نہ یہ کہ شاہزادہ بھی اس محبت کا جواب محبت سے دیتا تھا۔

اب رہا تاریخی نقطۂ نظر سے اسکی صحت و عدم صحت پر حکم لگانا، یہ ذرا مشکل امر ہے کیونکہ مورخین نے کوئی خاص واقعہ ایسا تو کہیں درج نہیں کیا جس سے اسپر روشنی پڑتی ہو، اور نہ درج کر سکتے تھے، لیکن عرفی کے طرز عمل سے ضرور یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ شاہزادہ کو مخصوص نگاہ سے دیکھتا تھا، چنانچہ اسکی سب سے زیادہ قوی شہادت اُسکے وہ قصائد ہیں جو اسنے شاہزادہ سلیم کی مدح میں کہے ہیں۔

حمد و نعت اور منقبت سے قطع نظر کرنے کے بعد عرفی کے قصائد صرف حکیم ابوالفتح، خانخاناں، اکبر بادشاہ اور شاہزادہ سلیم کی مدح میں نظر آتے ہیں، اور ان سب سے اسکے جذبات کا علیحدہ علیحدہ پتہ چلتا ہے۔ چونکہ حکیم ابوالفتح اس کا بہت بڑا محسن تھا اسلیئے اسکی مدح میں عرفی نے متعدد قصائد کہے اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے جذبات منت پزیری نہ ظاہر ہوتے ہیں۔

حکیم ابوالفتح کی مدح میں اسنے آٹھ قصائد کہے ہیں اور ہر چند عرفی کا کوئی قصیدہ رنگ تغزل سے خالی نہیں ہے لیکن وہ ان میں کسی جگہ اس سے زیادہ رنگینی پیدا نہیں کر سکا جو قصیدہ کی شان اور اسکے نظری ذوق کے لحاظ سے ضروری تھی، مثلاً حکیم ابوالفتح کی مدح میں اس کا مشہور قصیدہ ہے۔

چہرہ پرداز جہاں رخت کشد چوں بہ حمل | شب شود نیمرخ و روز شود مستقبل

اس قصیدہ کی تشبیب میں عرفی نے بڑی بڑی نازک خیالی و معنی آفرینی سے کام لیا ہے لیکن جہاں ابوالفتح کی مدح کی طرف گریز کرتا ہے وہاں اس کا قلم اس سے زیادہ رنگینی پیدا نہیں کر سکا کہ:-

روئے در روئے دو دو سایۂ او یا خورشید

یا اسی طرح ایک اور قصیدہ میں نہایت طویل تشبیب کے بعد حکیم ابوالفتح کو مخاطب کرکے اپنے جذبات کی انتہائی فتادگی کو اسطرح ظاہر کرتا ہے کہ:-

بخدمت آمدم اینک بگو چہ مصلحت ست | بر آستان تو باید نشست یا استاد

گرم تو بندہ شمردی زخواجگی صد شکر | وگر قبول نہ کردی ز ناکسی فریاد

ابوالفتح کی مدح اس کا ایک نہایت مشہور قصیدہ ہے۔

بازگلبانگ پریشاں می زنم | آتشے در عندلیباں میزنم

کہ اور اسمیں کلام نہیں کہ پورا زور قلم اسمیں صرف کر دیا ہے، لیکن مدح میں انتہائی تغزل اس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا

ذکر طبعش میکنم تا نعمۂ | در صفات باغ رضواں می زنم

خانخاناں کی مدح میں اسنے چار قصیدے لکھے ہیں اور بہترین قصیدہ وہ ہے جو میر ابو الفتح کی فرمائش پر اسنے لکھا ہے اور جسکی تشبیب بالکل غزل سرائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بیا کہ با دلم آں میکند پریشانی | کہ غمزۂ تو نکر دست با مسلمانی

ز دیدہ رفتی و مردم ہماں نفس، فریاد | کہ بے تو مردم و انگہ چنیں بآسانی

نہشت غمزۂ اسلام دشمنت، کہ دو روز | محبت تو کنم جمع با مسلمانی

ترحمے نہ کنی حسن بر دلم گوئی | کہ در زمانۂ یوسف نبود زندانی

اس قصیدہ کو بعد مطلع ثانی سے شروع کرتا ہے تو اسی رنگ میں:-

زہے وفائے تو ہمسایۂ پشیمانی | نگاہ گرم تو تکلیف نا مسلمانی

آگے چلکر یہ رنگ اور گہرا ہو جاتا ہے اور تین شعر قیامت کے لکھ دیتا ہے:-

متاع حسن تو سرمایۂ تہیدستی | خیال زلف تو مجموعۂ پریشانی

لب تو جرعۂ بادۂ دل آشوبی | غم تو شانہ کش طرۂ تن آسانی

گل کرشمہ بخندد چو چشم باز کنی | بہار عشوہ بریزد چو رخ بپوشانی

گریز کے بعد جب خانخاناں کی مدح شروع ہوتی ہو تو اسمیں بھی یہ رنگ ہلکا سا باقی رہتا ہے مثلاً:-

تو زیب محفل دمن بغنیمت کہ در میداں | سر زمانہ بفتراک لبستہ میلرنی

چونکہ خانخاناں کی خدمت میں یہ پہلا قصیدہ تھا اور وہ بھی حکیم ابو الفتح کی فرمائش پر لکہا گیا تھا اسلیئے عرفی نے حد درجہ کاوش سے کام لیکر اپنا پورا رنگ طبیعت اسمیں بھر دیا تھا۔ ورنہ جو حقیقی جذبات احترام خانخاناں سے وابستہ تھے ان کا پتہ ایک اور قصیدہ سے چلتا ہے، جس کا مطلع ہے:-

اے داشتہ در سایۂ ہم تیغ و قلم را | دے ساختہ آرائش ہم فضل و کرم را

اکبر بادشاہ کی مدح میں اسنے تین قصیدے لکھے اور تینوں میں اسکی عظمت و جبروت کا پورا خیال رکھا ہے علی الخصوص وہ قصیدہ جس کا مطلع ہے:-

اے دل معنی سرشت رازدان آفتاب تا ابد بر خوانِ دولت میہمانِ آفتاب

ان قصائد میں تغزل کی رنگینی تقریباً مفقود ہے، اور ہونا چاہیئے تھی کیونکہ صرف اسکی بادشاہ ہونے کی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے تھے۔ لیکن برخلاف اسکے جب وہ شاہزادہ سلیم کی مدح لکھتا ہے تو اس کا قلب و دماغ بے اختیار ہوجاتا ہے اور باوجود اس علم کے کہ سلیم خود بھی بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے، عرفی اسکو تقریباً اپنے دل سے محو کردیتا ہے اور ایسا لطیف رنگ تغزل پیدا ہوجاتا ہے کہ کسی اور ممدوح کے لیے پیدا نہیں ہوسکا۔

شاہزادہ سلیم کی مدح میں اسنے تین قصیدے کہے ہیں اور تینوں سے اسکے جذبات پنہاں مترشح ہوتے ہیں، مثلاً اسکا وہ قصیدہ ملاحظہ ہو جس کا مطلع ہے:۔

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز نعیم گدا کلاہ نمد کج نہاد و شہ دیہیم

مطلع ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفی ایک خاص سرور کی حالت میں ہے اور نہایت لذت کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ اس قصیدہ کی تشبیب اسنے اسطرح شروع کی ہے کہ "عید کی صبح کو ناگہاں ایک پیامبر آتا ہے اور شاہزادہ سلیم کی طلبی کا حکم سناتا ہے" اسکو وہ پیامبر کی زبان سے اسطرح ادا کرتا ہے:۔

بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم

زلالِ چشمۂ امید نقد اکبر شاہ طراز دولتِ جاوید شاہزادہ سلیم

شعر کا صحیح ذوق رکھنے والے خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ عرفی کا اپنے آپ کو گہر کہہ کے سلیم کو دریا کہنا اپنی تشنہ لبی کا ذکر کرکے اسکو تسنیم کے لفظ سے یاد کرنا، اسی کے ساتھ زلالِ چشمۂ امید اور طراز دولتِ جاوید کے حسین الفاظ کا استعمال کرنا کسقدر معنی خیز ہے اور عرفی کے کن گہرے جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی قصیدہ میں آگے چلکر عرفی اپنا بارگاہ سلیم تک پہونچنا لکھتا ہے، لیکن وہاں پہونچنے کے بعد جو حالت اسکی ہوئی، اسکو اسی کی زبان سے سنیئے کہ:۔

رسیدنِ من و اقبال آں ہمایوں فال چناں فتاد مطابق دراں خجستہ حریم

کہ گر ادب نکشیدی عنانِ من قدمش ببوسہ گاہ ہمی کرد بر لبم تقدیم

یعنی حرم مبارک میں میرا پہونچنا اور شاہزادہ ہمایوں فال کا نمودار ہونا ایسا ساتھ ساتھ ہوا کہ اگر ادب مجھے نہ روک لیتا تو اسکے قدم میرے لبوں تک پہونچ ہی گئے تھے۔ اسکے بعد لکھتا ہے:۔

نگفت دمن نشنود م ہر آنچہ گفتن داشت کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت　　　فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یعنی "اسنے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن میں نے سن لیا جو وہ کہنا چاہتا تھا کیونکہ زبان سے پہلے اسکی نگاہوں نے مجھ سے کہدیا جو کہنا تھا۔ لیکن جب گفتگو کی نوبت آئی تو پھر تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ میرا سامعہ موج کوثر و تسنیم میں ڈوب گیا ہے"۔

اگر عہد حاضر کی نکتہ رس عدالت گاہوں میں۔ پکچر آف ڈورین گرے (Picture of Dorian grey) آسکر وائلڈ (Oscar Wilde) کے خلاف شہادت میں مقبول ہو سکتی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان اشعار کی بنا پر عرفی کو شاہزادہ سلیم کی محبت کا مجرم نہ قرار دیا جائے۔

نگفت و من لشنودم ہر آنچہ گفتن داشت
فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یہ دونوں مصرعے، عرفی کے جذبات کی ایسی کھلی ہوئی اور اسقدر بسیط داستانیں ہیں کہ ان کے مقابلہ میں کسی اور دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔

شاہزادہ سلیم کی مدح میں عرفی کا ایک اور قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے:۔

نو بہار آمد کہ افشاند چو حسن یار گل　　　چوں وصال یار ریزد ہر حس و ہر خار گل

قصیدہ کے سلسلہ میں اسنے ایک غزل بھی لکھی ہے جس سے اس کے جذبات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔لکھتا ہے:۔

چوں ز لطف آری بیالین من بیمار گل　　　از پئے آرائش تابوت ہم بردار گل
جلوہ کن در روضہ تا حوراں بدست انفعال　　　از فروغ چہرہ بر پایت کنند ایثار گل
رحمے اے طالع بروئے شاہد امید ما　　　مشت حس تا کے فشانی بر فشاں یکبار گل

مقطع کا دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو:۔

ہر نگاہش را بدامن ہست صد خروار گل

اسکے علاوہ عرفی کا ایک قطعہ ہے جس کے متعلق مولانا شبلی نے بھی لکھا ہے کہ "شہزادہ سلیم کی محبت کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے"۔

یہ قطعہ شیخ سعدی کے اس قطعہ کا جواب ہو جسمیں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ وہ شاعر کیا عشق و محبت کا دم بھر سکتا ہے جو قصیدہ میں صرف چند شعر عشقیہ لکھ کر مدح شروع کر دے۔ عرفی اسکے جواب میں لکھتا ہو کہ:۔

دی کسے گفت کہ سعدی گہرافروز سخن | قطعۂ گفت کہ اندیشہ بر آں می نازد
سخن عشق حرام ست بر آں بیہدہ گوئے | کہ چو دہ بیت غزل گفت، مدیح آغازد
گفتم ایں خود ہمہ عیب ست کہ در راہ تمیز | ہر کہ ایں لاف زند رخش ددئی می تازد
لوحش اللہ، زنیک اندیشی عرفی کورا | آنکہ ممدوح بود عشق بہ او می بازد

یعنی جو کچھ سعدی نے کہا ہے خوب ہے لیکن یہاں تو یہ حال ہو کہ جو میرا ممدوح ہے وہی میرا معشوق بھی ہے لیکن ہمارے نزدیک اسکو عرفی کے محبت کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ جبکہ یہ بالکل حقیقت کے خلاف ہے اور عرفی نے زیادہ تر حکیم ابوالفتح کی مدح میں قصیدہ خوانی کی ہے، اسلیئے اسکو صرف شاعرانہ انداز بیان سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیجا سکتی۔

بعض تذکروں میں اس مسئلہ کو اسقدر اہمیت دیگئی ہے کہ عرفی کے ہندوستان آنے کا سبب ہی یہ محبت قرار دی گئی ہے، لیکن یہ صرف شاعری ہی شاعری ہے، کیونکہ اسوقت تک غریب عرفی نے شاہزادہ سلیم کو دیکھا بھی نہ تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ عشق غائبانہ ہو گیا تھا تو اس کا ثبوت نہیں ہو۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ عرفی ہندوستان آیا اور اسی طرح آیا جسطرح ایران کے تمام شعراء ہندوستان کی قدر شناسی کا حال سن سن کر آرہے تھے اور جب یہاں پہونچا تو شاہزادہ سلیم کو بھی دیکھا۔ ممکن ہے کہ اسوقت اسکے دل میں محبت کی کیفیت پیدا ہوئی ہو، لیکن وہ اسکو ظاہر نہ کر سکتا تھا اور چونکہ اسکی رسائی کبھ دربار شاہی میں عرصہ تک نہیں ہوئی اسلیئے اس محبت کے بڑھنے میں بھی کوئی چیز محرک نہ ہو سکتی تھی۔

بعض کا خیال ہے کہ عرفی کا ترجیع بند جسکے بند کا ایک شعر یہ ہے:۔

چوں دست بمسند ہدو صالت
دست من و دامن خیالست

شہزادہ سلیم ہی کی یاد میں لکھا گیا ہو، لیکن ایسا کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے یہ دعوی کرنا کہ عرفی کے سارے دیوان کا مخاطبہ شاہزادہ سلیم سے ہے۔

زحل، ارانوس، نبتون

(جناب محمد سلیم صاحب۔ سلطانپور)

قدیم فلکیات میں سبعۂ سیارہ مشہور تھے، جنمیں زحل سب سے زیادہ بعید واقع ہونے والا سیارہ تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن اب ارانوس، نپتون دو اور سیارے، موجودہ نظام شمسی میں اضافہ کئے گئے ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمایئے کہ یہ کب اور کیونکر دریافت ہوئے۔ زحل کے متعلق بھی مختصراً کچھ ارقام فرمائیے۔

(نگار) زحل کو اگر یوں دیکھا جائے تو وہ بھی دوسرے ستاروں کی طرح ایک روشن نقطہ نظر آئیگا، لیکن اگر دوربین کی مدد سے اس کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا وہ تمام ستاروں سے ممتاز ہے اور اسکے چاروں طرف ایک چوڑا سا روشن حلقہ بھی پایا جاتا ہے۔ اگر کسی قوی تر دوربین سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ حلقہ خود تین حلقوں سے مرکب ہے جن کا مرکز ایک ہی ہے، پہلا حلقہ جو زحل سے بہت دور واقع ہے خود بھی روشن ہے اور اسکے بعد ایک تاریک خلا یا فصل ہے جس کے بعد دوسرا حلقہ نظر آتا ہے اور وہ بھی منور ہے، اس سے ملا ہوا تیسرا حلقہ ہے جو زیادہ نمایاں نہیں ہے، لیکن کبھی کبھی وہ ایسا شفاف ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر سے زحل نظر آنے لگتا ہے، یہ آخری حلقہ ۱۸۵۰ء میں دریافت ہوا تھا اور پہلے دونوں حلقوں کا علم گلیلیو ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ ان دونوں حلقوں کا مادہ اسقدر کثیف ہے کہ ان کا سایہ زحل پر اور زحل کا سایہ ان پر نظر آتا ہے، ان حلقوں کی وسعت ۱۷۲۳۱۰ میل ہے جو زحل کے قطر سے دو چند ہے، یہ حلقے زحل کے مختلف پہلوؤں سے مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں۔

ان حلقوں کے مادہ کے متعلق علماء کا اختلاف تھا، بعض کا خیال تھا کہ وہ سیال ہے بعض اُسے جامد کہتے ہیں یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں کلارک میکسول نے ثابت کیا کہ اگر وہ جامد یا سیال ہوتے تو اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتے تھے بلکہ وہ مرکب ہیں چھوٹے چھوٹے اجزا سے جو ۔ ۔ ۔ ایک دوسرے سے منفصل ہیں، یعنی یہ حلقے چھوٹے چھوٹے چاندوں کا مجموعہ ہیں جو زحل کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں اور چونکہ زحل قریب ہونے کی وجہ سے اسکی قوت جاذبہ شدید ہے، اسلئے ان چاندوں کو ایک دوسرے سے یک جز نہیں ہونے دیتا۔

عہد قدیم سے علماء کی رائے ہے کہ یہ حلقے زحل کے گرد ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں ورنہ اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکتے اور زحل کا جذب شدید انہیں منتشر کر دیتا۔ پروفیسر کیلر نے ثابت کیا ہے کہ ان حلقوں کے وہ اجزا جو زحل سے قریب تر ہیں ان میں گردش زیادہ ہے اور اس سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ حلقے مجموعہ ہیں چھوٹے چھوٹے چاندوں کا جو ایک دوسرے سے منفصل ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ سارا حلقہ منجمد ہوتا تو زحل سے قریب تر اجزاء کا زیادہ تیزی سے گردش کرنا نہ پایا جاتا۔

زحل کا قطر پانچویں حصہ کے برابر مشتری کے قطر سے کم ہے اور اپنے قطبین کی طرف بہت چھوٹا ہے، چنانچہ اس کا استوائی قطر ۰۰۰،۷۰ میل ہے، اور قطبین کی طرف ۷۰۰،۶۷ میل۔ اسکی سطح اپنے مناطق (Zones) کے لحاظ سے مریخ کی سطح سے مشابہ ہے اور ہر دس گھنٹہ پندرہ منٹ میں اپنے محور پر ایک بار گردش کرتا ہے مشہور ہے کہ زحل کے دس چاند ہیں اور اس کا نواں چاند سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے کیونکہ اسکی گردش بالکل الٹی شرق سے غرب کی طرف ہے۔

زحل آفتاب سے اسقدر دور ہے کہ اگر وہاں سے سورج کو دیکھا جائے تو بہت ہی چھوٹا سا ستارہ نظر آئے اسی لیے آفتاب کی حرارت وہاں بہت کم پہونچتی ہے، زحل کی سطح سے علاوہ مشتری کے اور کوئی سیارہ ہمارے نظام شمسی کا نظر نہیں آتا۔

(۲) اورانوس۔ قدماء کا خیال تھا کہ زحل سے زیادہ بعید سیارہ کوئی نہیں ہے اور یہ خیال عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ سر ولیم ہرشل کو ۱۷۸۱ء میں برج جوزا کے اندر ایک ایسا ستارہ نظر آیا جو اس سے قبل نظر نہ آیا تھا۔ اسنے جب زیادہ قوی دوربین سے دیکھا تو اس کا حجم اور بڑا معلوم ہوا اور اس سے اس نے یقین کیا کہ یہ کوئی سیارہ ہے کیونکہ ثوابت کا حجم ان کے دور ہونے کی وجہ سے دوربین میں نہیں بڑھتا، اس نے ہر رات اس سیارہ کی رفتار پر غور و فکر شروع کیا، اور اسکی حرکت کو محسوس کر کے حکم لگایا کہ یہ کوئی دمدار سیارہ ہے، لیکن جب زمین سے اس کا بُعد بدستور قائم رہا تو اس نے نتیجہ نکالا کہ یہ کوئی سیارہ ہے جو زحل کے ماورا واقع ہے، اس کا نام پہلے ہرشل رکھا گیا اور پھر اورانوس۔ بعد کو ہرشل نے یہ بھی دریافت کیا کہ اس سیارہ کے دو چاند ہیں بعد کو ۱۸۵۱ء میں دو اور چاند اس کے دریافت ہوئے۔ اور انوس کا قطر زحل کے قطر سے نصف ہے اور اسکی سطح پر جو علامات پائی جاتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمین کی طرح اپنے محور پر دس سے لیکر بارہ گھنٹوں تک کے اندر ایک گردش پوری کر لیتا ہے، اس کا جسم زحل و مشتری کی طرح بخار کی طرح ہے، اور آفتاب کی روشنی اور حرارت اس تک بہت کم پہونچتی ہے۔

(۳) نپتون۔ اس کا اکتشاف فلکیات کے غرائب میں شمار کیا جاتا ہے، اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ کیمبرج کا ایک پروفیسر جان آڈمس، آفتاب کے گرد اورانوس کی گردش کا مطالعہ کر رہا تھا، کہ اسمیں اسے کچھ اختلاف نظر آیا۔ اس سے پہلے ایک فلکی اور اسی اختلاف کو محسوس کر چکا تھا۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ کسی

نتیجہ پر پہونچتا، مرگیا۔ آڈمس نے اس اختلاف کا سبب یہ سمجھا کہ شاید کوئی اور سیارہ جو اورانوس سے بھی زیادہ دور ہے اپنی کشش کا اثر ڈال رہا ہے اسکی تصدیق بعد کو اور علماء نے بھی کی اور اس سیارہ کا نام نپٹون رکھا گیا۔

جب فرانس کے مشہور فلکی لالینڈ نے اسکو ۱۷۹۵ء میں دیکھا تو اسنے محسوس کیا کہ دو دن کے بعد اسنے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے، لیکن اسکے ذہن میں یہ بات ہرگز نہ تھی کہ یہ سیارہ ہے۔

خالی آنکھ سے نپٹون نظر نہیں آتا۔ اس وقت تک اس کا صرف ایک چاند دریافت ہوا ہے نپٹون حجم میں اورانوس کے برابر ہے اور اسوقت تک اس کا اپنے محور پر گردش کرنا ثابت نہیں ہوا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ ابھی تک سدیمی حالت میں ہے۔

لائبریری کی زینت

لسان الغیب اگر آپ حافظ شیرازی کی مکمل سوانح عمری اور اُن کے دیوان کی بہترین شرح و حل دیکھنا چاہتے ہیں تو لسان الغیب کی دونوں جلدیں طلب فرمائیے۔

جلد اول معہ مکمل سوانح عمری۔ ۴۰۳ صفحات قیمت ۳؎ ، جلد دوم ۶۰۲ صفحات قیمت عہ؎

کاس الکرام یعنی عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور اسکی رباعیات کی مکمل شرح۔ تمام ارباب سخن کی رائے ہے کہ اُردو میں اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل و مبسوط کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی۔ ضخامت ۴۰۰ صفحات ۲؎

بندگی امام ابن تیمیہ کی مشہور عالم کتاب "العبودیت" کا اُردو ترجمہ جسمیں حقائق دینی عقائد اسلامی اور تصوف کے صحیح مفہوم سے بحث کرکے بے مثل فیصلہ کیا گیا ہے، ضخامت ۱۴۸ صفحات۔ قیمت ۸؎

نمکدان فصاحت فارسی، عربی، اُردو کے بہترین علمی، تاریخی، ادبی، لطائف۔ اس کتاب میں کوئی لطیفہ ذوق صحیح سے گرا ہوا نہیں ہے۔ ضخامت ۲۴۴ صفحات۔ قیمت عہ

ہر آرڈر کے ساتھ چوتھائی قیمت پیشگی آنا لازمی ہے ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔

منیجر نگار بھوپال

"عیشِ رفتہ کی یاد"

وہ سرورِ آفریں حیاتِ خاص — وہ طرب خیز واقعاتِ خاص

وہ ترا شوقِ بزم آرائی — وہ تری شرکتیں بذاتِ خاص
وہ ترا ذوقِ عیش آرائی — اور وہ اخذِ تلذذاتِ خاص

وہ محل۔ وہ قصور۔ وہ ایوان — اور وہ ہر سو تکلفاتِ خاص
وہ نئے ساز۔ وہ نئے ساماں — اور وہ دلکش تنوعاتِ خاص

وہ وفا دوست مجمعِ احباب — اور وہ باہم تعلقاتِ خاص
وہ ہم آہنگ صحبتِ نایاب — اور وہ دلچسپ تذکراتِ خاص
وہ ندیمانِ دوربین و عقیل — اور وہ حلِ صد نکاتِ خاص
وہ جلیسانِ نازنین و جمیل — اور وہ اُن کا التفاتِ خاص
وہ کبھی دعوتِ غزلخوانی — اور وہ رنگیں مباحثاتِ خاص
وہ کبھی رخصتِ سخن رانی — اور وہ علمی مناظراتِ خاص
وہ چمن۔ وہ بہار کا عالم — اور وہ اکلِ مفرحاتِ خاص
وہ گھٹائیں۔ وہ بارشیں چھم چھم — اور وہ شربِ منشیاتِ خاص

وہ کبھی بادہ نوشیوں کے مزے — اور وہ نقل و تنقلاتِ خاص
وہ کبھی عیش کوشیوں کے مزے — اور وہ شغلِ منتطاباتِ خاص

وہ ہجومِ مغنیانِ حسیں   وہ سرود و ترنماتِ خاص
وہ ادا ہائے دلکش و رنگیں   وہ صدا ہائے نغمہ جاتِ خاص

***

وہ لگاتار بارشِ انوار   وہ نزولِ تجلیاتِ خاص
وہ فقط نور کے در و دیوار   وہ پُر از جلوہ کائناتِ خاص

***

وہ تماشائے منظرِ صد عیش   اور وہ ہر عیش کو ثباتِ خاص
وہ بہارِ طرب کے جیش کے جیش   اور وہ اک عالمِ حیاتِ خاص

***

وہ زمانِ تحیراتِ عجیب   وہ جہانِ عجائباتِ خاص
وہ ہزاروں مکاشفاتِ عجیب   وہ ہزاروں مشاہداتِ خاص

***

وہ نگاہِ عنایتِ ہر دم   وہ خیالِ توجہاتِ خاص
وہ وفورِ کرامتِ پیہم   وہ کمالِ تلطفاتِ خاص

***

وہ وفا کے تصرفاتِ مزید   وہ قبولِ مطالباتِ خاص
وہ محبت کے معجزاتِ فقید   وہ حصولِ تقرباتِ خاص

***

وہ مسلسل معانقے باہم   وہ خوشی کے تصادماتِ خاص
وہ دمادم وصالہائے اتم   وہ طرب کے تراکماتِ خاص

***

ہائے وہ دورِ گلفشانِ طرب   ہائے وہ عہدِ خوش صفاتِ خاص
ہائے وہ فرصتِ زمانِ طرب   ہائے وہ عالمِ حیاتِ خاص

***

بس اب آزاد! بس کہ پیشِ عوام   نامناسب ہیں۔ تذکراتِ خاص"

آزاد انصاری

کلام اکبر حیدری

(انتخاب)

پھر دکھا دے مجھے عتاب کا رنگ / پھر میں دیکھوں ترے شباب کا رنگ

اب میری طرح وہ بھی ہے طوفاں میں مطمئن / اب ناخدا کے دل میں نہیں کچھ خدا سے لاگ

میں کہ امیدِ عنایت بھی گناہ / تم کہ جورِ بے نہایت تک حلال

اے غمزۂ دل آرا۔ اے عشوۂ تبسم / اک بدنصیب دل ہے حسرت کشِ تکلم
اب ناخدا سے کہدو۔ سونپی گئی خدا کو / اک کشتیِ شکستہ آسودۂ تلاطم

کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں / اے تصور کون ہے آغوش میں
حضرت اکبر گیا عہدِ شباب / اب ضرورت ہے کہ آؤ ہوش میں

حسن سے کہہ رہا ہوں دل کے راز / اے محبت گناہ کرتا ہوں

طوفانِ برق و باد کی ذرہ نوازیو / میں خانماں خراب کسے آشیاں کہوں
جو سُن کے مسکرا دے مری داستانِ غم / میں اور اُس سے قصۂ دردِ نہاں کہوں؟

ابھی تو ناخدا کے بعد میرا اک خدا بھی ہے / حوادث کیوں تڑپ کر رہ گئے آغوشِ طوفاں میں

تم سے نے جور و جفا کے راز سیکھے
اب میں سمجھا وہاں کی راہوں کو

کیا ہے مضطرب جانِ حزیں کو
دعا دیتا ہوں چشمِ شرمگیں کو
اٹھائے حسنِ رنگِ گل کا پردہ
نہ کر گمراہ چشمِ دوربیں کو

اکبر کی طبیعت کا کچھ حال نہیں کھلتا
خوددار نہ کچھ بیخود۔ ہوشیار نہ دیوانہ

جب دیکھو ذکرِ عشق ہے دار و رسن کے ساتھ
اک چھیڑ سی ہے اُنہیں میرے دیوانہ پن کے ساتھ
کیا قہر ہے کہ تجھ سا کریم اور یہ سلوک
اور کسی کے ساتھ مجھ سے غریب الوطن کے ساتھ

ضرورت ہے اظہارِ غم کی مگر
خدا کے لیے بے ضرورت نہ پوچھ
نہ سن ماجرائے شبِ غم نہ سن
نہ پوچھ انتہائے مصیبت نہ پوچھ

خلافِ توقع مدارات ہے
نگاہِ کرم آج کیا بات ہے

شدتِ دردِ جگر کچھ اور ہے
آج کی شب کی سحر کچھ اور ہے

پھر ترکِ محبت کا سودا ہے مرے دل میں
پھر ہوش نے لوٹا ہے سرمایۂ بیہوشی
بیمارِ محبت تو کچھ دیر کا مہماں ہے
اب دیکھنے آجاؤ انجامِ ستم کوشی

توسیع اشاعت نگار میں حصہ لینا آپ کا فرض ہے۔

غزلیات

آزاد انصاری

اک مرا دل کہ مصائب کا شکار
اک مری جان کہ صرفِ افکار

تو اور اک چشمِ عنایت سے دریغ
میں اور امیدِ وفا کا آزار

نامرادانہ بسر ہوتی ہے
نہ وہ دنیا ہے نہ وہ لیل و نہار

نہ وہ تسکین کے پہلو باقی
نہ وہ امید۔ نہ وہ صبر و قرار

نہ کوئی دردو مصیبت کا شریک
نہ کوئی یار۔ نہ کوئی غمخوار

نہ وہ خوش وقتیٔ بزمِ عشرت
نہ وہ دلچسپیٔ سیرِ گلزار

نہ وہ محفل۔ نہ وہ غوغائے نشاط
نہ وہ گلشن۔ نہ وہ دنیائے بہار

نہ وہ آنکھیں نہ وہ رنگیں جلوے
نہ وہ نظریں۔ نہ وہ لطفِ دیدار

جس جگہ جائیے۔ دل کو وحشت
جسطرف دیکھیے۔ کلفت دوچار

کامرانی کا زمانہ نہ رہا
کوئی حسرت ہو۔ نکلنی دشوار

کیا پڑی ہے کہ کوئی رہبر ہو
میں ہوں اور منزلِ دشوار گزار

اے ترے لطف کی دنیا ہو کی
اسطرف بھی نگہ لطف شعار

کوئی انجام کا کھٹکا نہ رہا۔
اسے زہے شغل ہجومِ افکار

وضعِ آزاد نرالی دیکھی
ہاتھ میں سبحہ۔ گلے میں زنار

عبد المنان بیدل

ہر ایک زخمِ دلِ عندلیب، خنداں ہے
چمن میں فصلِ خزاں بھی بہار ساماں ہے

ہماری بیگنہی سرنگوں ہے خجلت سے
جو قتل کرکے وہ معصوم کش پشیماں ہے

نشاطِ غم کا دلِ شیفتہ ہوا خوگر
کسی کے جورِ مسلسل کا مجھ پہ احساں ہے

فریبِ حسن سے قلبِ امید پرور کو
یقین ہے کہ تغافل بھی لطف پنہاں ہے

یہ فیضِ دیدۂ خونابہ ریز ہے بیدل
ہر ایک تارِ گریباں جو گل بداماں ہے

جلیل قدوائی

بے پردہ ایک دن جو وہ آئے نظر مجھے — اس دن سے آج تک نہیں اپنی خبر مجھے
ظاہر میں گو کہ اُن سے ہے اک بے تعلقی — رہتی ہے اُن کے حال کی ساری خبر مجھے
سمجھو اسی طرف ہے مری منزلِ مراد — لیجائے جس طرف مرا دردِ جگر مجھے
طے کر رہا ہوں عشق کی اُن منزلوں کو میں — میری خبر ہے اُن کو نہ اُن کی خبر مجھے
گزری ہے بیکسی میں جلیل اپنی زندگی — کوئی شریکِ غم نہ ملا عمر بھر مجھے

ولی کاکوی

فنا کروں تن خاکی بقائے جاں کے لیئے — اجل امید ہے آرام جاوداں کے لیئے
اِدھر فراہمی خس میں ہوں میں سرگرداں — تڑپ رہی ہے اُدھر برق آشیاں کے لیئے
ہے چشم شوق میں اپنی تو آستاں کوئی — جھکے ہزار یہ سر سجدۂ بتاں کے لیئے
کھلیں گے پر تو دو عالم ہو نگے بھر کافی — فضائے قدس ور کار مرغ جان کے لیئے
بہار ختم ہوئی میں الٹ کے کیا دیکھوں؟ — کہ آنکھ ہی نہیں نظارۂ خزاں کے لیئے
بٹھا دیا مری واماندگی نے کانٹوں میں — نہ میں یہ سر کو ٹپکتا ہوں کارواں کے لیئے
مثالِ قطرہ فنا بحر عشق میں ہو جا — جو آرزو ہے ولی عمر جاوداں کے لیئے

حاذق (علیگ)

او تغافل شعار دیر آزار — ظلم کرنا بھی کیا ہوا دشوار
ضبط کر ضبط او دلِ ناداں — تو ہے مجبور اور وہ مختار
نو نظر ہو گئی حجابِ نظر — محو حیرت ہیں طالبِ دیدار
میں ہوں آزردۂ فریبِ نظر — مجھ سے دیکھا گیا نہ حسن بہار
بادہ آشامیوں سے جی نہ بھرا — دل سے چھوٹا نہ خانۂ خمار
ہائے ساقی پہ لڑکھڑا کے گرا — آگئی کام لغزشِ رفتار
مدوح قالب سے گیا ہوئی رخصت — غم سے آزاد ہو گیا بیمار
جانِ حاذق نثار دوست ہوئی — یوں ٹھکانے لگی یہ زار و نزار

اقتباسات و معلومات

انسان کے عضلات میں جس سرعت کے ساتھ جنبش کی قوت موجود ہے، اس کا حال ایک جرمن مصنف کی کتاب "The life of mankind" سے معلوم ہوتا ہے، اسنے ایک جگہ لکھا ہے کہ وائلن (انگریزی سارنگی) بجانے والا جب انتہائے کمال کو پہونچ جاتا ہے تو ہر منٹ میں ۶۰۰ مرتبہ اسکی انگلی کو جنبش ہوتی ہے یعنی ایک سکنڈ میں دس مرتبہ۔

اسی طرح ایک ماہر پیانو نواز کو ایک سکنڈ میں ۴۷ مرتبہ انگلی کو جنبش دینی پڑتی ہے اور بعض باکمال حضرات صرف ۴۰ سکنڈ کے اندر ان جنبشوں کو پورا کر لیتے ہیں۔

زبان سے متعلق ہونے والے عضلات بہت زیادہ نازک اور لچیلے ہیں کہ وہ سکنڈ میں ۲۵ یا ہر منٹ میں ۱۵۰۰ مرتبہ حرکت کر سکتے ہیں۔ لیکن کسقدر حیرتناک امر ہے کہ انسان باوجود اسقدر مکمل ہونے کے اس مسئلہ میں پھر بھی مکھی سے کمتر درجہ پر ہے جو ایک سکنڈ میں ۳۳۰ مرتبہ اپنے پروں کو جنبش میں لاتی ہے۔

ٹرانسوال میں قلم لگانے کا ایک عجیب و غریب تجربہ عمل میں آیا ہے، سال گزشتہ ایک لیمو کے درخت کی ساری شاخیں کاٹ ڈالی گئیں اور صرف تین ڈالیاں باقی رہنے دی گئیں۔ ان میں سے ایک شاخ میں نارنگی کا قلم لگایا گیا۔ دوسری شاخ میں انگور کا اور تیسری اپنے حال پر چھوڑ دی گئی۔

اس سال اس درخت میں نارنگیاں بھی آئی ہیں، انگور بھی پھلے، اور چند لیمو بھی، ابتدائی فصل میں پہلے نارنگی اور لیمو اس سے حاصل ہوئے اور پھر انگور۔ اور اب ہر شاخ میں جداگانہ پھول ہر پھل کے پھر نظر آ رہے ہیں۔

سینما کی دنیا میں ایک اور ایجاد کا اضافہ ہوا ہے، جس کی نمائش گزشتہ ستمبر میں بمقام لندن کو لسیم ہوئی تھی۔ یہ ایجاد فیتہ (فلم) سے متعلق ہے جس کے ذریعہ سے تصویریں پردہ پر ابھری ہوئی نظر آتی ہیں اور ہر چیز کا اصلی رنگ نہایت مکمل طور پر دکھائی دیتا ہے۔

جرمنی میں اس نوع کے فلموں کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے، اور یقین ہے کہ بہت جلد تمام دنیا میں اسی قسم کے فلم رواج پاجائیں گے۔

ایندھن کی پیداوار میں ترقی کی راہیں سوچنا، یہ ایسا اہم سوال ہے جس پر یوروپ کا ہر ملک اپنی اپنی جگہ غور کر رہا ہے، چنانچہ جرمنی کے اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ دس سال سے وہاں کے ماہرین علم الکیمیا بھی اس کے تجربے کر رہے تھے اور اب وہ اسمیں کامیاب ہوگئے ہیں

انہوں نے ایک "رقیق کوئلہ" بنایا ہے جو موجودہ کوئلہ سے بہت زیادہ سستا ہوگا اور جرمنی کا بیان ہے کہ اب وہ اپنے ہاں نہ صرف پٹرول کی درآمد سے بے نیاز ہوجائیگا بلکہ اس "رقیق کوئلہ" کو وہ دیگر ممالک میں بھی بھیج سکیگا ابھی تک کسی کو یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ چیز کسطرح بنائی گئی ہے۔

مسٹر نوارو ماہر فن پرواز نے اپنے دوران بیان میں ظاہر کیا ہے کہ اسوقت جس جہاز کی تعمیر کا انتظام ہورہا ہے وہ اتنا بڑا ہوگا کہ ۱۵۰ مسافر اسمیں آسکیں گے اور نو انجن جن میں سے ہر ایک ۴۵۰ گھوڑوں کی قوت کا ہوگا اسکو چلائینگے اس جہاز پر ایک لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ لاگت آئیگی۔

ہوائی جہازوں کو خطرہ سے بچانے کے لیے جو مینار روشنی کے بنائے جاتے تجویز ہوئے ہیں، انھیں میں سے ایک مینار وہ ہے جو افریقہ کے پہاڑ پر پیرس سے الجزائر جانے والے جہازوں کے لیے تعمیر ہوا ہے.

یہ بارہ میٹر (ایک میٹر گز سے کچھ زائد ہوتا ہے) بلند ہے اور تقریباً ۶ میٹر لمبا ہے۔ اسکی روشنی اسقدر قوی ہے کہ وہ ۵۰۰ کیلو میٹر (ایک کیلو میٹر تقریباً پون میل کے برابر ہوتا ہے) سے صاف موسم میں اور ۲۰۰ کیلو میٹر سے طوفانی موسم میں نظر آتی ہے، یہ ہر پانچ سکنڈ کے بعد منور ہوتا ہے اور اس سے ۰۰۰۰۰ ۸۷۴ بتیوں کی روشنی پیدا ہوتی ہے، اسکی تیاری میں ۱۵ لاکھ فرانک صرف ہوئے ہیں۔

حال ہی میں ویگو کی ایک جوان عورت نے سمندر میں ڈوب کر اقدام خودکشی کیا، صرف اس بنا پر کہ وہ ایک مرد سے جسکو وہ بہت چاہتی تھی شادی نہیں کرسکتی تھی۔ شادی نہ ہوسکنے کا سبب یہ تھا کہ جسوقت وہ مرد پیدا ہوا تھا اسوقت

غلطی سے اس کا اندراج لڑکیوں کی فہرست میں ہو گیا تھا اور بعد کو افسران متعلقہ نے اس اندراج میں تغیر کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر چونکہ حسب قاعدہ دو عورتوں میں شادی نہیں ہو سکتی اسلیئے وہ بھی قانوناً اس مرد سے جسکو حکومت نے زبردستی عورت بننے پر مجبور کر دیا ہے، شادی نہ کر سکتی تھی۔

مغرب میں ڈاکٹروں کو سخت ممانعت ہو کہ وہ اپنے کو مقبول بنانے کے لیئے کسی قسم کا اشتہار دیں، اور یہ سختی جس حد تک بڑھی ہوئی ہے اس کا حال اس ایک مثال سے معلوم ہو سکتا ہو کہ سر ولیم وھیلر نے اپنے ایک مضمون میں جو ہڈیوں کے ٹوٹنے کے متعلق فن کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم معلومات پر مشتمل ہے، اُسوقت کی ایک تصویر بھی دی ہے جب کولے کی ہڈی ٹوٹنے پر پلاسٹر چڑھایا جاتا ہے۔ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ ایک مریض پر ڈاکٹر کسطرح پلاسٹر کا استعمال کر رہا ہے، لیکن تصویر میں ڈاکٹر کا چہرہ صرف اسلیئے اڑا دیا گیا کہ کہیں تصویر اُس ڈاکٹر کی طرف سے اشتہار کے ذیل میں نہ شمار کر لی جائے۔

دس سال اُسطرف امریکہ میں ایک نوجوان بیمار ہوا، اس کے باپ نے جو عمارتوں کا ٹھیکہ دار تھا عہد کیا کہ اگر میرا بیٹا اچھا ہو گیا تو میں مشنری کے لیئے ایک نہایت عالی شان عمارت طیار کراؤنگا۔ چنانچہ اب لڑکا اچھا ہو گیا ہو اور باپ نے اپنے عہد کے مطابق اعلان کیا ہے کہ کولمبیا یونیورسٹی کے قریب وہ عمارت طیار کریگا جو ۶۵ منزل کی ہوگی۔ یہ عمارت جسکی تعمیر میں ۳۰ لاکھ پونڈ صرف ہونگے ایک ہوٹل ہوگا جسمیں ۵۵۰۰ کمرے ہونگے اور کھانے کا کمرا اتنا وسیع ہوگا کہ ۲۰۰۰ آدمی بیک وقت کھانا کھا سکیں گے۔ اس میں بارہ سایہ دار باغ بھی ہونگے، اس سے جو آمدنی ہوگی اس کا دس فیصدی مشنری کو دیا جائیگا۔ یہاں شراب اور تمباکو کا استعمال ناجائز قرار دیا جائیگا۔

پروفیسر ہیورلیس لیم نے حال ہی میں اپنے ایک لکچر کے دوران میں مسئلہ ارتقا پر اظہار خیال کرتے ہوئے بیان کیا کہ زمین میں انجماد کی کیفیت پیدا ہوئے کم از کم ایک ارب اور زیادہ سے زیادہ دس ارب سال کا زمانہ گزرا ہے، اور زمین کی اندرونی حرارت باندازہ نصف کم ہونے کے لیئے ابھی بہت زمانہ درکار ہے۔

ایک شخص کی دولت کا اندازہ اس ٹیکس کی مقدار سے ہو سکتا ہے جو اسپر عائد ہوتا ہے، اسلیئے امریکہ

کے بعض دولتمندوں کی ثروت کا اندازہ نقشہ جات ٹیکس سے کیا جاسکتا ہے۔

ان نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال راکفلر نے ۱۲۵۷۶۰۰ پونڈ ٹیکس ادا کیا، فورڈ نے ۵۲۱۸۰۰ پونڈ، فورڈ کے بیٹے نے ۴۳۱۶۰۰ پونڈ، ملمن نے ۳۷۶۶۰۰ پونڈ اور مارگن نے ۱۱۴۸۰۰ پونڈ لیکن سب سے زیادہ حیرتناک امر یہ ہے کہ چارلی چیپلن نے جو دنیائے سنما کا مشہور ایکٹر ہی اور جس کی آمدنی بھی بے اندازہ ہے، صرف ۶۵ پونڈ ٹیکس ادا کیا۔ اسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہی کہ کاروبار میں اس کا تمام سرمایہ ختم ہوگیا ہے اور اب وہ بالکل غریب ہے۔

نیویارک کے ایک دولتمند شخص لیوپولڈ نے، جو صرف تیرہ منٹ سے لاکھوں ڈالر کا مالک ہوگیا، حال ہی میں اعلان کیا کہ "میں نے ۵ لاکھ ڈالر کے صرف سے غریب لڑکوں کی حالت درست کرنے کے لیئے ایک اسکیم طیار کی ہے، لیکن اسکے آگے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی باقی دولت کسطرح اور کیونکر صرف کروں۔ میں ممنون ہونگا اگر پبلک مجھے کوئی مفید راے دے۔"

اس اعلان کے شائع ہونے کے بعد دوسرے ہی دن ۲۰۰۰ خطوط ملے اور ڈاک کا زبردست سلسلہ قائم ہوگیا۔ چنانچہ اب اسنے ایک مستقل اسٹاف رکھا ہے کہ وہ خطوں کو چھانٹ کر اس کے سامنے پیش کرے، اسی طرح ملنے والوں کا ہجوم اسقدر بڑھ گیا ہے کہ مشکل سے اسے کوئی وقت فرصت کا نصیب ہوتا ہی۔

لاسلکی ذریعہ پیام رسانی کے سلسلہ میں جرمنی نے حال ہی میں ایک ایسی ایجاد پیش کی ہی جس کے ذریعہ سے جہاز کے مسافر سمندر کے کسی حصہ سے، خشکی کے ہر شخص سے گفتگو کرسکیں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا قدم کامیابی کی طرف بڑھایا گیا ہے، اور وہ اسطرح کہ سمندر کے اندر ہی ایک جہاز کے آدمی دوسرے جہاز کے مسافروں سے گفتگو کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

چنانچہ حال ہی میں بحر اتلانتک میں دو جہاز سفر کر رہے تھے، اور دونوں کا فاصلہ ۱۵۰ میل تھا۔ چونکہ ان دونوں میں لاسلکی کا وہ مخصوص آلہ لگا ہوا تھا، جسے جرمنی نے پیش کیا ہے، اسلیئے ایک جہاز کے مسافر نے دوسرے جہاز کے ایک آدمی سے مسلسل ۸ منٹ تک گفتگو کی جس کا معاوضہ دس مارک یا دس شلنگ لیا گیا۔

لندن میں اُن تصویروں کی نمائش منعقد ہونے والی ہے جو لاسلکی کے ذریعہ سے ۳۲۰۵ میل کی دوری تک منتقل کی گئی ہیں۔ ان تصویروں کے نمونوں میں ایک نمونہ اُس تصویر کا بھی ہوگا جو لاسلکی ٹیلی فون کے ذریعہ سے تین رنگوں کے ساتھ منتقل کی گئی تھی۔

ہر شخص نے دیکھا ہوگا کہ جس وقت لڑکے لٹو میں تاگہ لپیٹ کر زمین کی طرف پھینکتے ہیں تو وہ گردش کرنے لگتا ہے اور بعض اوقات وہ اسقدر تیزی سے گھومتا ہے کہ ایک جگہ قائم و ساکن نظر آتا ہے۔

اسی اصول پر ایک جدید آلہ جیروسکوب کے نام سے ایجاد کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑا پہیہ ہے، جو اپنے محور پر گردش کرتا رہتا ہے اور جب تک گردش میں رہتا ہے ساکن نظر آتا ہے، اور ہر اس قوت کا مقابلہ کرتا ہے جو اسے بائیں طرف سے اسکو متاثر کرنا چاہتی ہے۔

اب جہازوں میں اس آلہ کا استعمال شروع ہوگیا ہے اور اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ موجیں خواہ کتنی ہی طوفانی اور ہوا کیسی ہی شدید کیوں نہ ہو۔ جہازوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا اور ہچکولے نہیں کھاتے۔

افریقہ میں نیند کی بیماری بڑھتی جارہی ہے اور اسوقت تک اس کا کوئی یقینی علاج دریافت نہیں ہوا، جب کسی شخص پر اس کا حملہ ہوتا ہے تو بیس بیس سال تک بیہوش پڑا رہتا ہے اور جب اچانک ہوش میں آتا ہے تو پھر نیند میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بیماری ایک خاص قسم کی مکھی سے منتقل ہوتی ہے جو آدمیوں اور جانوروں پر بیٹھ کر اپنے نیش کے ذریعہ سے اس مرض کا مادہ خون میں پہونچا دیتی ہے۔ چنانچہ ایک انگریز نے جو افریقہ کی برطانوی نوآبادی میں رہتا ہے اس مکھی کا مقابلہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی ہے۔ اور وہ یہ کہ گدھے کی کھال میں بھس بھروا کر اصلی جانور کی طرح اس مقام میں قائم کردیا جاتا ہے جہاں یہ مکھیاں بہت پائی جاتی ہیں۔ مکھی اصلی گدھا سمجھکر اس کے جسم پر آکر بیٹھ جاتی ہے اور ایک خاص قسم کا لعاب دار مادہ جو پہلے سے لگا دیا جاتا ہے چاٹ کر مرجاتی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس تدبیر سے بہت سی مکھیاں ہلاک ہوچکی ہیں۔

نفسیات کا علم یوں تو یورپ میں ہر جگہ ترقی کر رہا ہے، لیکن جرمنی میں خصوصیت کے ساتھ اس

طرف بہت توجہ کی جارہی ہے، وہاں کی یونیورسٹیاں تو خیر اس علم کی نہایت سرگرم علمبردار تسلیم ہی کی جاتی تھیں لیکن اب وہاں کی صحافت بھی نہایت اہتمام سے اسطرف متوجہ ہے۔ چنانچہ جرمنی کے اخبارات اس علم کے ماہرین کو عدالتوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہاں جرائم کی تحقیقات کو دیکھ کر قانونی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ نفسیاتی زاویۂ نگاہ سے ارتکاب جرائم کے مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ چونکہ قانون اسوقت تک جرائم کا انسداد نہیں کرسکا ہے اسلیئے اب یورپ سائکالوجی کی مدد سے یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ تحلیل نفسی اس باب میں کس حد تک مفید ہوسکتی ہے اور جرمنی خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ کاوش کررہا ہے۔ کیونکہ اس فن کے ماہر جسقدر وہاں پائے جاتے ہیں کسی اور جگہ نہیں ہیں۔

جرمنی کے ایک مہندس نے ایک دوربین بنائی ہے جس کے ذریعہ سے پانی کے اندر حیوانات و نباتات کا مطالعہ ہوسکیگا۔ یہ دوربین ۰۰ امٹر تک پانی کے اندر تمام چیزوں کو آنکھ کے سامنے لے آتی ہے، اس کا شیشہ بہت قوی ہے اور اس کی نلکی میں روشنی کا نفوذ نہیں ہوسکتا۔

اس دوربین کی مدد سے آبی جانوروں کی صحیح عادات و اطوار جب کہ وہ پانی کے اندر آزادی سے زندگی بسر کررہے ہونگے معلوم ہوسکیں گے اور علماء حیات کو اس سے بہت مدد ملیگی۔

امریکہ میں چوروں اور مجرموں نے اپنے فن میں اسقدر مہارت پیدا کرلی ہے کہ پولیس کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے سخت دقتوں کا سامنا ہوتا ہے اور اسکے لیئے ہمیشہ نئی نئی ترکیبیں سوچی جاتی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں وہاں ایک فولادی پردہ طیار ہوا ہے جسکو سامنے رکھ کر پولیس کا سپاہی آگے بڑھتا ہے، اس سے یہ مقصد ہے کہ مجرم کے پستول کی گولی اسکو ہلاک نہ کرے۔ اس چادر کے اندر ایسے سوراخ موجود ہیں جن سے وہ آگے دیکھ سکتا ہے اور خود حسب موقع پستول چلا سکتا ہے۔

حال ہی میں ایک خاص قسم کا ملبوس ڈوبنے سے بچنے کے لیئے طیار کیا گیا ہے جو بہت مکمل ہے۔ اس ملبوس کے اندر پہونچنے کے بعد انسان سطح بحر پر قائم رہتا ہے اور شدید سے شدید طوفان بھی اسکو نہیں ڈبو سکتا۔ اسمیں ایک نہایت قوی سیٹی بھی لگی ہوئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے قریب گزرنے والے جہازوں یا کشتیوں

کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی جا سکے ۔ اسس بلبوس کے اندر سے انسان بآسانی چاروں طرف دیکھ سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوی حافظہ کے لوگ بہت ذہین ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حقیقت اسکے خلاف ہے فی الحقیقت ذہین وہی شخص ہوگا جس کا حافظہ کمزور ہو اور قوی حافظہ ذہین ہونے کے ایک حد تک منافی ہے، چنانچہ تم دیکھو گے کہ جانور بعض نہایت پیچیدہ راستوں کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ رکھ کر اپنے مقام پر پہونچ جاتے ہیں لیکن انسان انہیں بھول جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر انسانی دماغ تمام ان باتوں کو یاد رکھے جو نگاہوں سے گزرتی ہیں تو اس کا ذہن مشوش ہو جائے اور وتدبر کی قوت ضعیف، چنانچہ نپولین کہا کرتا تھا کہ " وہ لوگ جن کا حافظہ بہت قوی ہے اور جو ہر بات کو یاد رکھتے ہیں، اسس قابل نہیں ہوتے کہ افسر بنائے جائیں خواہ وہ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں "

ایک انگریزی عالم جالتون کا قول ہے کہ اکثر و بیشتر علماء ضعیف حافظہ کے ہوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو یاد نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ حقائق صغیرہ کا علم حقائق کبیرہ پر غور کرنے سے باز رکھتا ہے ۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ :۔

سب سے پہلے گلیلو نے رصدگاہ میں دوربین کا استعمال کیا۔

عورت کا قد اس کے پانوں کے طول کا سات گنا ہوتا ہے۔

عربی میں سب سے پہلا عربی جریدہ الوقائع المصریہ تھا جو ۱۸۲۸ء میں جاری ہوا۔

عربی میں فن ڈراما سب سے پہلے شام میں رائج ہوا، پھر مصر میں

سب سے پہلے نصر بن عاصم نے عربی خط پر نقطے اور اعراب استعمال کئے۔

نیو یارک کی سڑکوں کی لمبائی ۴۷۰۰ میل ہے

چاند ہر سکنڈ میں ۳۳۵۰ فٹ حرکت کرتا ہے ۔

قطبین میں ایک شخص دوسرے شخص کی آواز ایک میل کے فاصلہ سے سُن لیتا ہے ۔

روس میں تھیئٹر کے اندر تالیاں بجانا ممنوع ہے ۔

انسان کے پھیپھڑے میں ۷۶ ملین مسام ہوا کے لیئے ہیں ۔

دنیا کی سب سے بڑی دوربین کلیفورنیا کی رصدگاہ میں ہے، جو ستاروں کو ۲۵۰ ہزار گنا بڑا کر کے دکھاتی ہے ۔

عربی بولنے والوں کی تعداد ۷ کروڑ ہے ۔

اسپٹز برجن میں سب سے بڑا دن ۳½ مہینے کا ہوتا ہے ۔

اہل ہالینڈ سے زیادہ شائق تمباکو نوشی کا اور کوئی نہیں ہے ۔

دنیا کا سب سے بہتر مقام آب و ہوا کے لحاظ سے فرانس کا قریہ آمون ہے

مکھی سات ہزار آنکھیں رکھتی ہے ۔

بلجیم یورپ کے تمام ملکوں میں سب سے زیادہ متمدن ملک ہے ۔

نگار بک ایجنسی

نام کتاب	قیمت
تصانیف علیا حضرت فرمانروائے بھوپال	
سبیل الجنان - مذہبی و عالمانہ تقریروں کا بےمثل مجموعہ خواتین ہند کے لیئے عجیب و غریب نعمت ہے	۱عہ
سیرت مصطفیٰ - سیرت رسول کے متعلق بےمثل کتاب نہایت مستند روایات پر	عہ
عفت المسلمات - پردہ کے مسئلہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب اسوقت تک شائع نہیں ہوئی جسمیں مشرق و مغرب کے تمام علماء کے آراء کا نچوڑ ہے۔	۸عہ
اخلاقی سلسلہ - اسمیں اکابر و بزرگان اسلام کے تاریخی واقعات یکجا کر کے مکمل درس اخلاق دیا گیا ہے۔ بچوں عورتوں اور مردوں کے مطالعہ کے لیئے بےمثل مجموعہ، قیمت چاروں حصہ کی حسب ترتیب	۸ر ۱۴ر ۱ر / ۱۴ر ۱۲ر ۱ر
مہذب زندگی - اخلاقی سلسلہ کا پانچواں حصہ	عہ
تربیت اطفال - عورتوں کے لیئے بےمثل کتاب	۸ر
مقصد ازدواج - نکاح کے مسئلہ پر تمدن و معاشرت کے نقطۂ نظر سے بے مثل محاکمہ	۸ر
حفظ صحت - خواتین کو اسکا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے	۱۲ر
تندرستی - اس کتاب کا بھی ہر گھر میں رہنا ضروری ہے	عہ
درس حیات - اخلاق و آداب کے پیرایہ میں فرہنگ وجی کے تمام ضروری مسائل مع متعدد تصاویر	حصہ اول ۱عہ / حصہ دوم ۱عہ
معیشت و معاشرت - یہ دونوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ اگر عورتیں ان کا مطالعہ کر لیں تو پھر امور خانہ داری کے متعلق کوئی بات اُن سے فروگذاشت نہیں ہو سکتی، بےمثل کتاب ہے اور ہر گھر کے لیئے ضروری ہے۔	۱۲عہ / ۴عہ
تہذیب النسواں - یہ کتاب بھی امور خانہ داری کے متعلق ہے اور نواب شاہجہاں بیگم خلد مکان کی بہترین تصنیف خیال کیجاتی ہے۔	۸عہ
بچوں کی پرورش - اس کتاب کی خوبی و اہمیت نام ہی سے ظاہر ہے اسمیں۔ المضامین میں بچوں کے متعلق ابتدائے حمل سے لیکر انکی نشو و نما تک کے حالات، امراض اور علاج وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیئے گئے ہیں۔	۴عہ
ہندوستانی گھروں میں تیمارداری جسمیں بہم نقشے شامل ہیں۔	۴عہ
فرائض باغبانی - ہدایات باغبانی یہ دونوں ہر متمدن خاندان کے لیئے ضروری ہیں	۱۴ر / ۵عہ
اسلام اور عورت - اس کتاب کا مطالعہ ہر خاتون پر فرض ہے	۱۴ر
باغ عجیب - تین حصوں میں مع تصاویر بچوں کے لیئے اخلاقی سبق، دلچسپ نقشوں کی صورت میں	

نام کتاب	قیمت
نہایت دلچسپ کتاب ہے	۸ر و ۵ر
ہدیۃ الزوجین - نکاح سے پہلے اور اسکے بعد ہر مرد و عورت کے لیئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے -	۸ر
تصانیف جناب میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ	
ذکر مبارک - سیرت نبوی کے متعلق بےمثل کتاب ہے -	۵ر
خلافت راشدہ - اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے بچوں کے لیئے اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر نہیں ملسکتی ،	۱۴ر
سلک مروارید - اکابر اسلام کے دلچسپ تاریخی واقعات چار حصوں میں -	۱۴ر ۶ر، ۸ر ۵ر
گل وریحان - بچوں کے لیئے نہایت دلچسپ اور مفید کہانیاں	۸ر
فرائض مادری - نام ہی سے اسکی خوبی ظاہر ہے	۱۲ر
سیاحت سلطانی - بیگم صاحبہ بھوپال کے سفر یورپ کے نہایت دلچسپ حالات	قسم اعلی عہ، دوم عہ
فرائض النساء - فرائض خانہ داری پر بے مثل کتاب	۱۲ر
عجائبات قدرت - سائنس کے مسائل نہایت آسان زبان میں بچوں کے لیئے	۷ر
تصانیف مسز حجی بخش پرسنل سکریٹری حضور سرکار عالیہ	
جواہر ریزے - اونی ریشمی کپڑوں کے دھونے اور داغ	

نام کتاب	قیمت
دھبے دور کرنے کی ترکیبیں ، صنعت و حرفت کے اور بہت سے مجرب نسخے -	
ٹمٹنگ - موزہ بنیائن اور بیلیں بننے کی ترکیبیں مع متعدد تصاویر کے -	حصہ اول ۸ر، دوم عہ
سیر یورپ - ہر ہائینس نازلی بیگم جنجیرہ کا بے مثل سفرنامہ یورپ مع متعدد تصاویر کے	۸ر
مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ	
بیگمات بھوپال - قیمت مع محصول	مجلد ۳
مکاتیب - نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ ، قابل ملاحظہ ہے -	عہ
دیگر مصنفین	
روح نظیر - نظیر اکبر آبادی کے کلیات کا بہترین انتخاب ، مع ایک بسیط مقدمہ کے مولفہ مخمور اکبر آبادی بی اے -	۶ر

منیجر نگار بھوپال سے طلب کیجیے

(مطبوعہ مطبع آگرہ اخبار آگرہ)